بسم الله الرحمن الرحيم

# پارہ نمبر 1

# سورة البقرة

## آیت نمبر 97 - 121

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

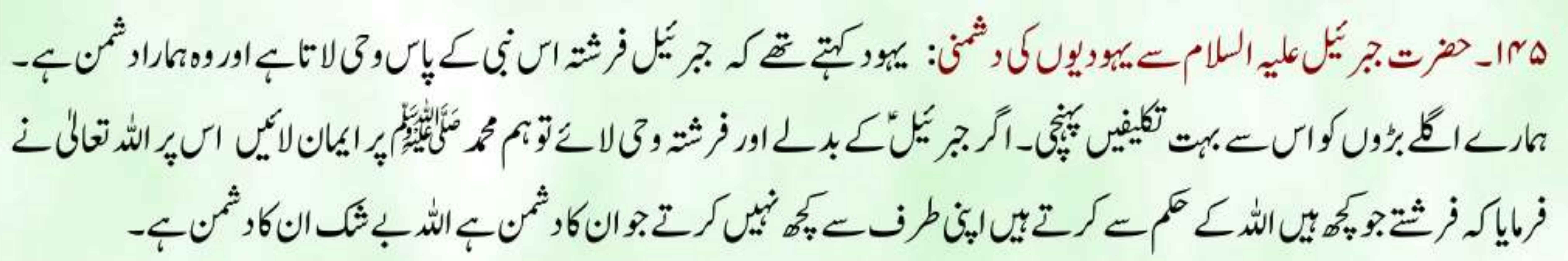

۱۴۵۔ **حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہودیوں کی دشمنی:** یہود کہتے تھے کہ جبرئیل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بڑوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچی۔ اگر جبرئیلؑ کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد ﷺ پر ایمان لائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہے اللہ بےشک ان کا دشمن ہے۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٦٥) بعض یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں وہ چونکہ ہمارے لئے بڑے سخت اَحکام لایا کرتے تھے اس لئے ہم انہیں اپنا دُشمن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لارہا ہوتا تو ہم کچھ غور کر سکتے تھے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی ہے اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تو محض پیغام پہنچانے والے ہیں، جو کچھ لاتے ہیں اللہ کے حکم سے لاتے ہیں۔ لہٰذا نہ ان سے دُشمنی کی کوئی معقول وجہ ہے اور نہ اس کی وجہ سے اللہ کے کلام کو ردّ کرنے کے کوئی معنیٰ ہیں۔

## مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

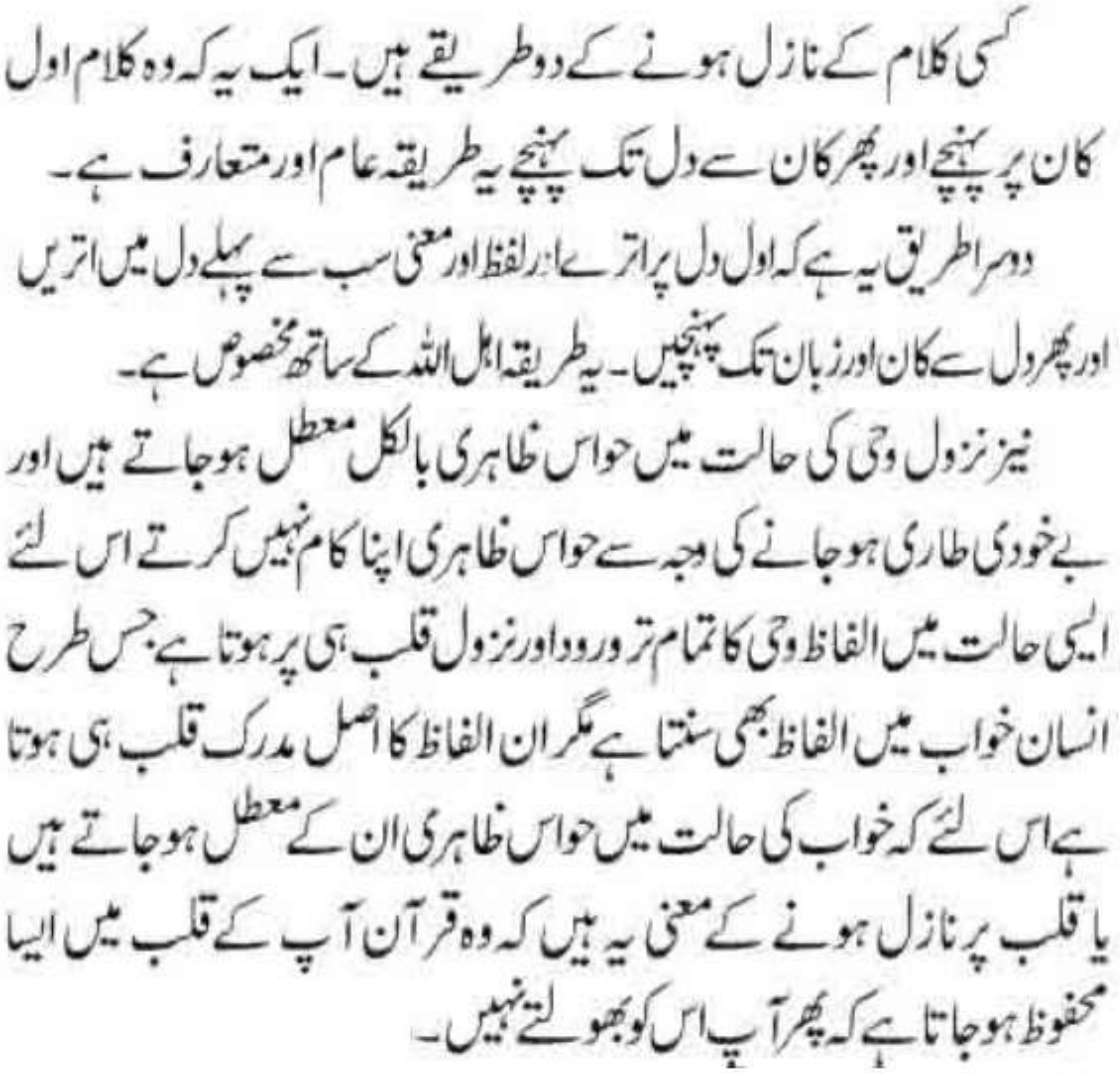

کسی کلام کے نازل ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کلام اول کان پر پہنچے اور پھر کان سے دل تک پہنچے یہ طریقہ عام اور متعارف ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ اول دل پر اترے اور لفظ اور معنی سب سے پہلے دل میں اتریں اور پھر دل سے کان اور زبان تک پہنچیں۔ یہ طریقہ اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نیز نزول وحی کی حالت میں حواس ظاہری بالکل معطل ہوجاتے ہیں اور بے خودی طاری ہوجانے کی وجہ سے حواس ظاہری اپنا کام نہیں کرتے اس لئے ایسی حالت میں الفاظ وحی کا تمام تر ورود اور نزول قلب ہی پر ہوتا ہے جس طرح انسان خواب میں الفاظ بھی سنتا ہے مگر ان الفاظ کا اصل مدرک قلب ہی ہوتا ہے اس لئے کہ خواب کی حالت میں حواس ظاہری ان کے معطل ہوجاتے ہیں یا قلب پر نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن آپ کے قلب میں ایسا محفوظ ہوجاتا ہے کہ پھر آپ اس کو بھولتے نہیں۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

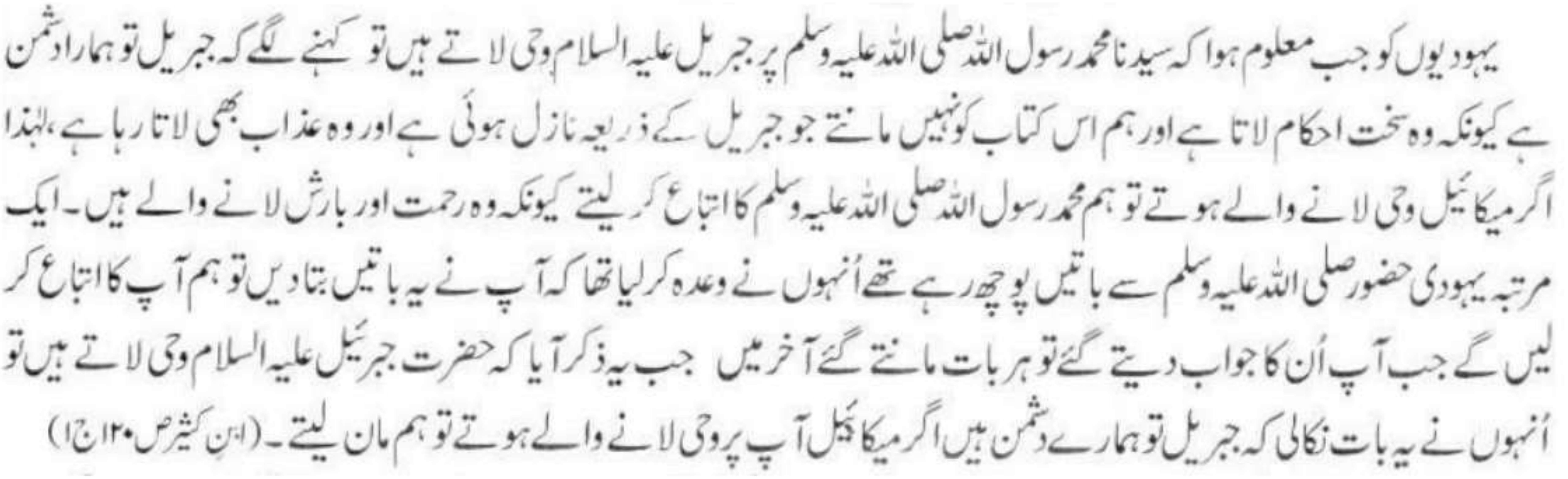

یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلامؑ وحی لاتے ہیں تو کہنے لگے کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سخت احکام لاتا ہے اور ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جو جبریل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور وہ عذاب بھی لاتا رہا ہے، لہٰذا اگر میکائیل وحی لانے والے ہوتے تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیتے کیونکہ وہ رحمت اور بارش لانے والے ہیں۔ ایک مرتبہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں پوچھ رہے تھے اُنہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ آپ نے یہ باتیں بتا دیں تو ہم آپ کا اتباع کر لیں گے جب آپ اُن کا جواب دیتے گئے تو ہر بات مانتے گئے آخر میں جب یہ ذکر آیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو اُنہوں نے یہ بات نکالی کہ جبریل تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل آپ پر وحی لانے والے ہوتے تو ہم مان لیتے۔ (ابنِ کثیر ص ۱۲۰ ج ۱)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

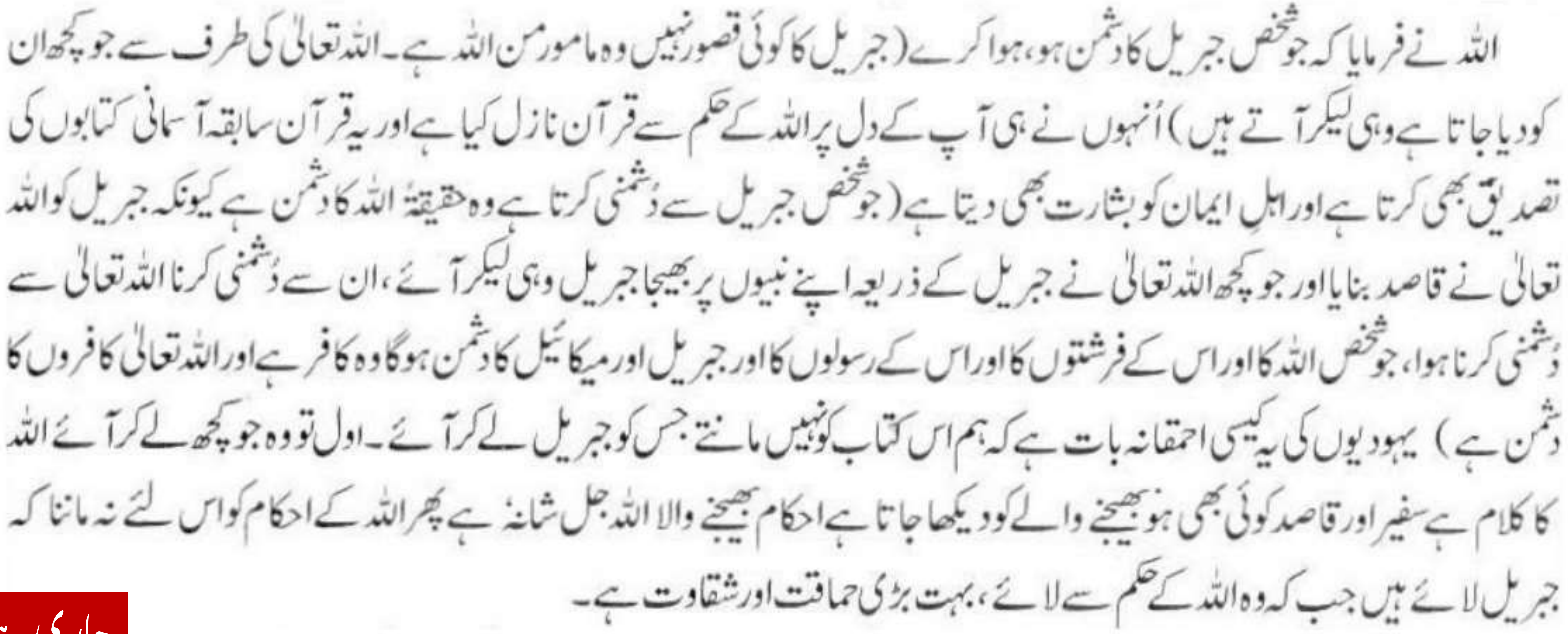

اللہ نے فرمایا کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو، ہوا کرے (جبریل کا کوئی قصور نہیں وہ مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہی لیکر آتے ہیں) اُنہوں نے ہی آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن نازل کیا ہے اور یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہلِ ایمان کو بشارت بھی دیتا ہے (جو شخص جبریل سے دُشمنی کرتا ہے وہ حقیقۃً اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ نے قاصد بنایا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ اپنے نبیوں پر بھیجا جبریل وہی لیکر آئے، ان سے دُشمنی کرنا اللہ تعالیٰ سے دُشمنی کرنا ہوا، جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوگا وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہودیوں کی یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جس کو جبریل لے کر آئے۔ اول تو وہ جو کچھ لے کر آئے اللہ کا کلام ہے سفیر اور قاصد کوئی بھی ہو بھیجنے والے کو دیکھا جاتا ہے احکام بھیجنے والا اللہ جل شانہٗ ہے پھر اللہ کے احکام کو اس لئے نہ ماننا کہ جبریل لائے ہیں جب کہ وہ اللہ کے حکم سے لائے، بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

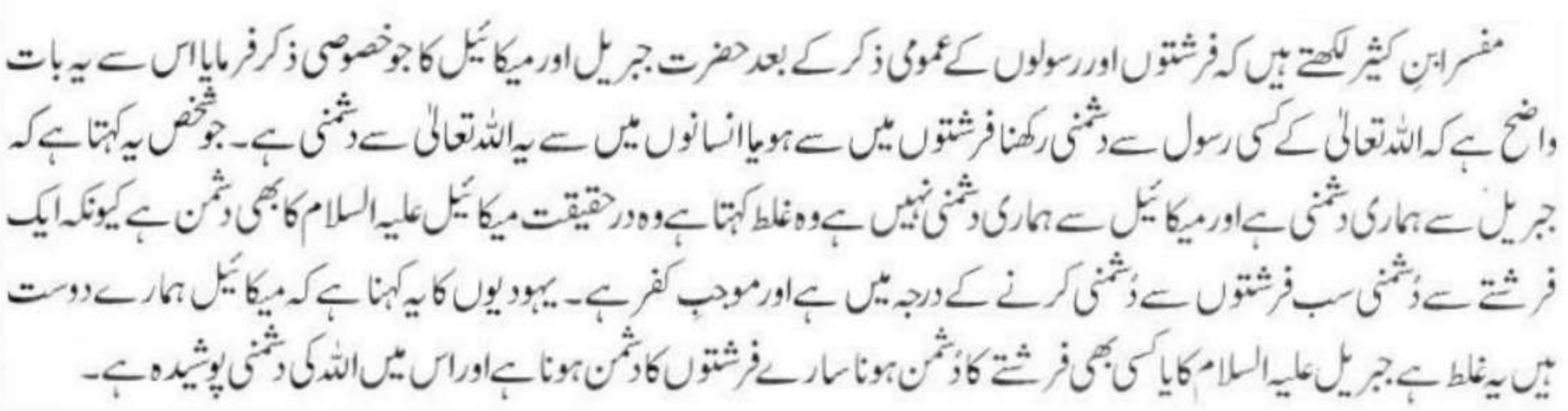

مفسر ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ فرشتوں اور رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا جو خصوصی ذکر فرمایا اس سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی رسول سے دشمنی رکھنا فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جبریل سے ہماری دشمنی ہے اور میکائیل سے ہماری دشمنی نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے وہ درحقیقت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ایک فرشتے سے دشمنی سب فرشتوں سے دشمنی کرنے کے درجہ میں ہے اور موجب کفر ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ میکائیل ہمارے دوست ہیں یہ غلط ہے جبریل علیہ السلام کا یا کسی بھی فرشتے کا دشمن ہونا سارے فرشتوں کا دشمن ہونا ہے اور اس میں اللہ کی دشمنی پوشیدہ ہے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿٩٩﴾

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿١٠٠﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

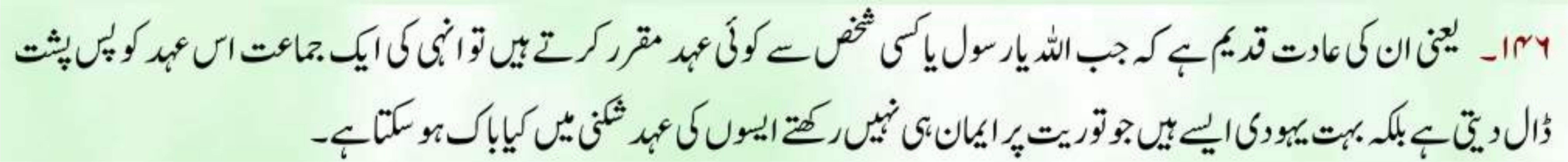

۱۴۶۔ یعنی ان کی عادت قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہی کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو توریت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ایسوں کی عہد شکنی میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

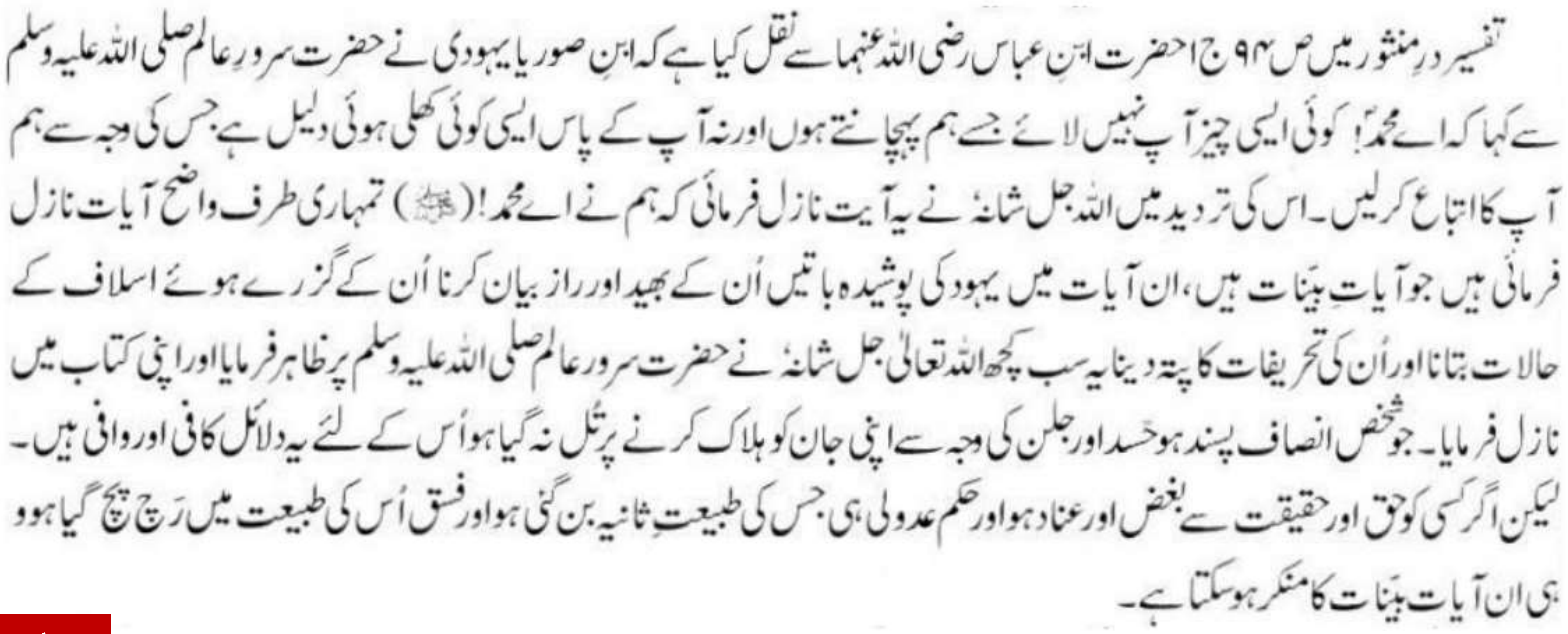

تفسیر درِ منثور میں ص ۹۴ ج ۱ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابنِ صوریا یہودی نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمدؐ! کوئی ایسی چیز آپ نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں اور نہ آپ کے پاس ایسی کوئی کھلی ہوئی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کا اتباع کرلیں۔ اس کی تردید میں اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے اے محمد! (ﷺ) تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں جو آیاتِ بیّنات ہیں، ان آیات میں یہود کی پوشیدہ باتیں اُن کے بھید اور راز بیان کرنا اُن کے گزرے ہوئے اسلاف کے حالات بتانا اور اُن کی تحریفات کا پتہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا اور اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ جو شخص انصاف پسند ہو حسد اور جلن کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاک کرنے پر تُل نہ گیا ہو اُس کے لئے یہ دلائل کافی اور وافی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو حق اور حقیقت سے بغض اور عناد ہو اور حکم عدولی ہی جس کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہو اور فسق اُس کی طبیعت میں رَچ پچ گیا ہو وہی ان آیاتِ بیّنات کا منکر ہو سکتا ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

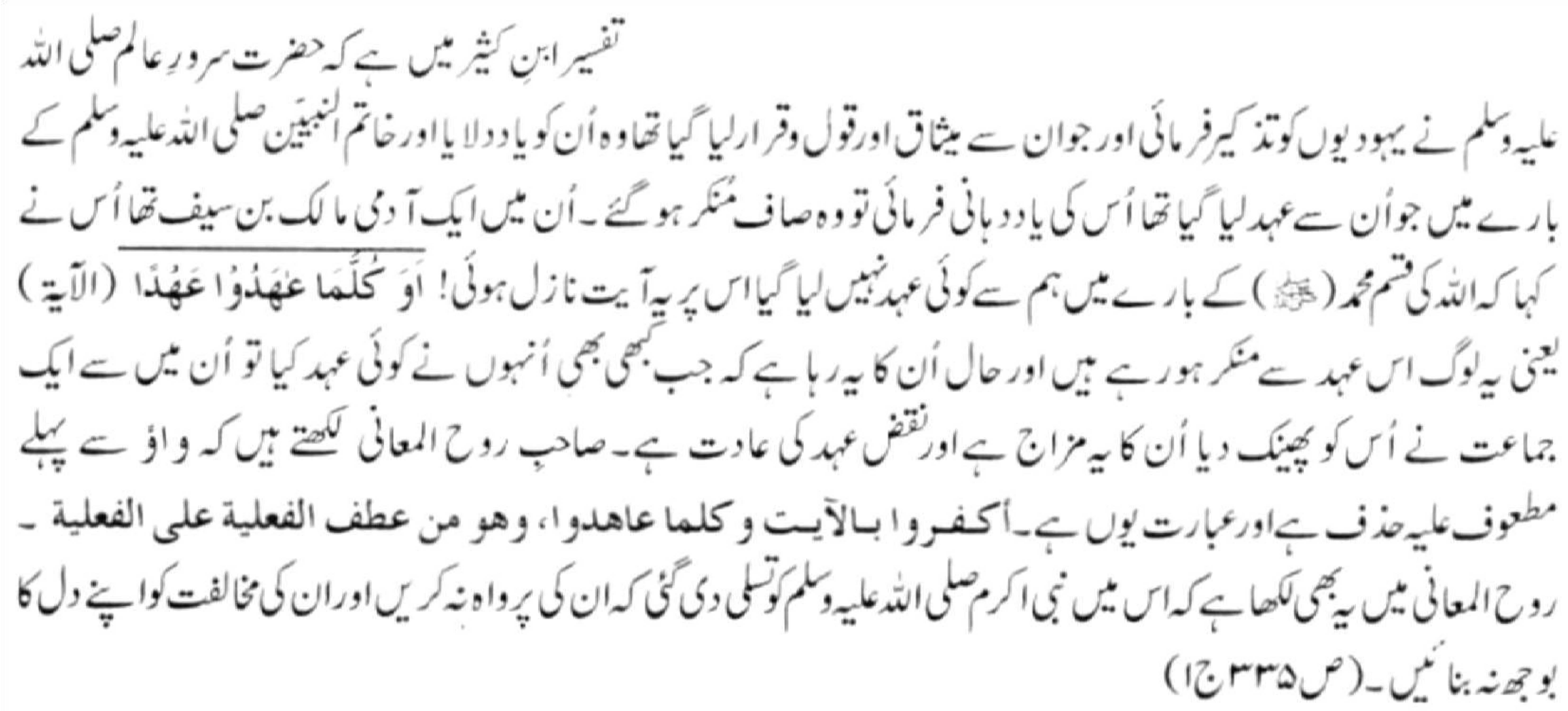

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو تذکیر فرمائی اور جوان سے میثاق اور قول وقرار لیا گیا تھا وہ اُن کو یاد دلایا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جواُن سے عہد لیا گیا تھا اُس کی یاددہانی فرمائی تو وہ صاف مُنکر ہو گئے۔ اُن میں ایک آدمی مالک بن سیف تھا اُس نے کہا کہ اللہ کی قسم محمد (ﷺ) کے بارے میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی! اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اس عہد سے منکر ہو رہے ہیں اور حال اُن کا یہ رہا ہے کہ جب کبھی بھی اُنہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک جماعت نے اُس کو پھینک دیا اُن کا یہ مزاج ہے اور نقض عہد کی عادت ہے۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ واؤ سے پہلے مطعوف علیہ حذف ہے اور عبارت یوں ہے۔ أكفروا بالآيت و كلما عاهدوا، وهو من عطف الفعلية على الفعلية۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان کی پرواہ نہ کریں اور ان کی مخالفت کو اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں۔ (ص ۳۳۵ ج ۱)

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

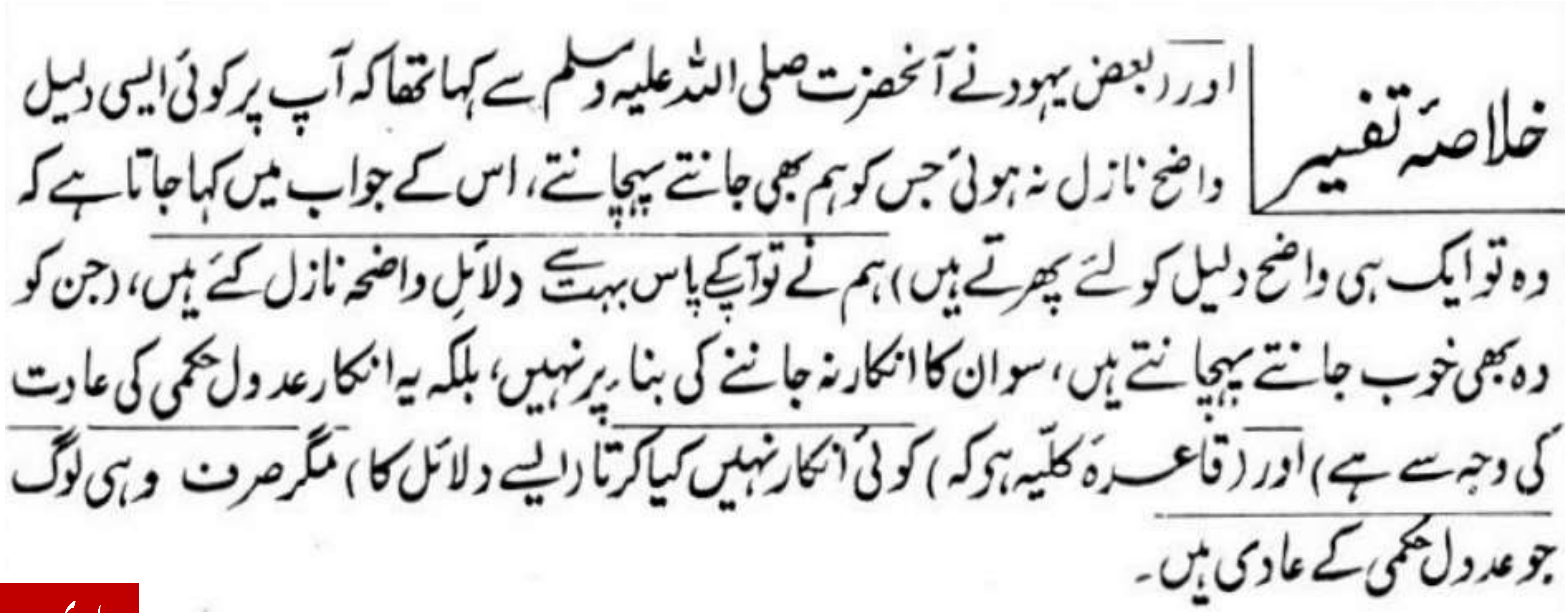

## خلاصۂ تفسیر

اور (بعض یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی دلیل واضح نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے پہچانتے، اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو لئے پھرتے ہیں) ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائلِ واضحہ نازل کئے ہیں، (جن کو وہ بھی خوب جانتے پہچانتے ہیں، سو ان کا انکار نہ جاننے کی بنا پر نہیں، بلکہ یہ انکار عدول حکمی کی عادت کی وجہ سے ہے) اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ) کوئی انکار نہیں کیا کرتا (ایسے دلائل کا) مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں۔

جاری ہے

## مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

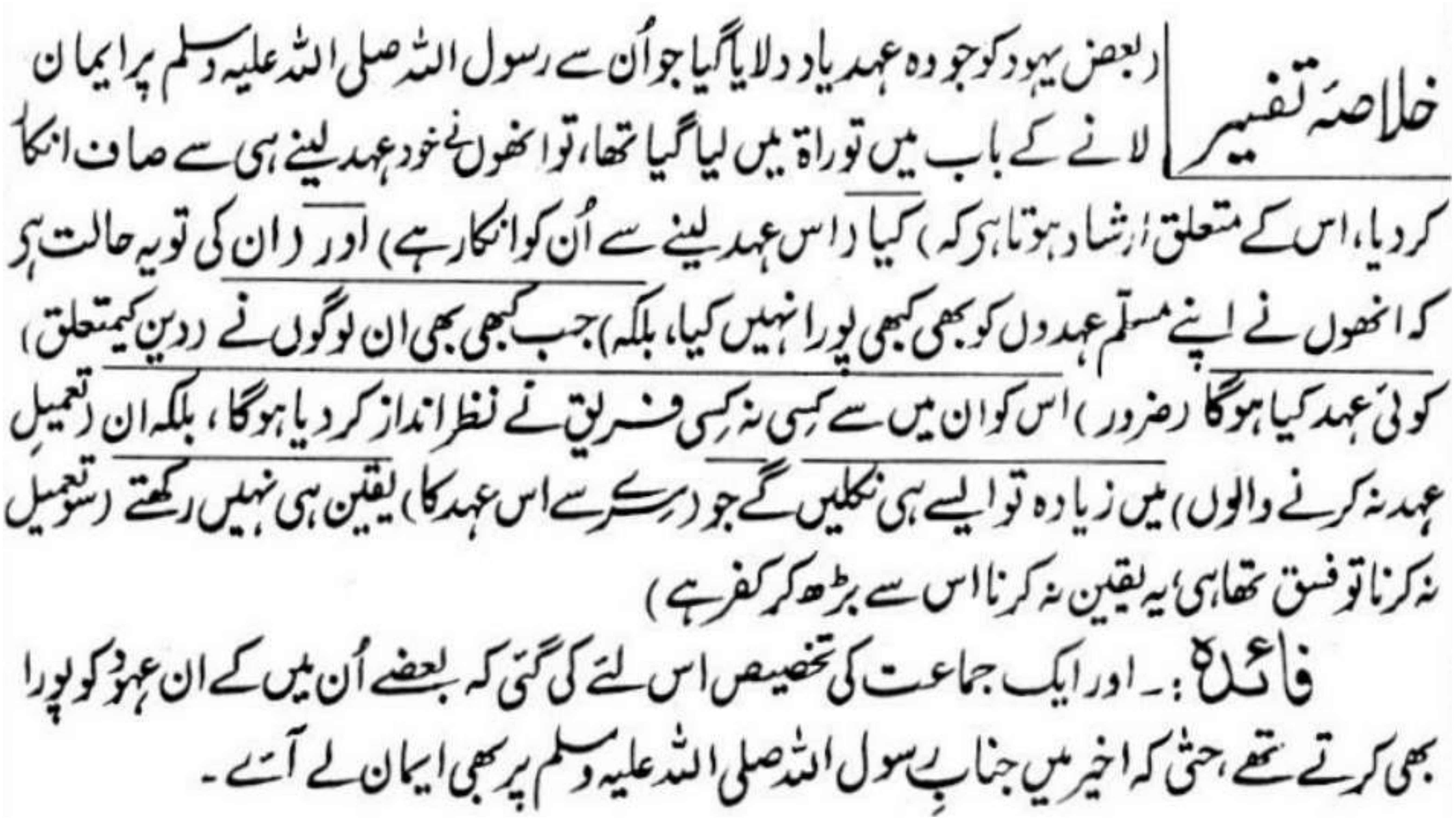

**خلاصۂ تفسیر**

(بعض یہود کو جو وہ عہد یاد دلایا گیا جو اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے باب میں توراۃ میں لیا گیا تھا، تو انھوں نے خود عہد لینے ہی سے صاف انکار کر دیا، اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ) کیا (اس عہد لینے سے اُن کو انکار ہے) اور (ان کی تو یہ حالت ہے کہ انھوں نے اپنے مسلّم عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا، بلکہ) جب کبھی بھی ان لوگوں نے (دین کے متعلق) کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا، بلکہ ان (تعمیل عہد نہ کرنے والوں) میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو (سرے سے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے (سو تعمیل نہ کرنا تو فسق تھا ہی، یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے)

**فائدہ:** ۔ اور ایک جماعت کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ بعضے اُن میں کے ان عہدوں کو پورا بھی کرتے تھے، حتیٰ کہ آخر میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے۔

## اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ
فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

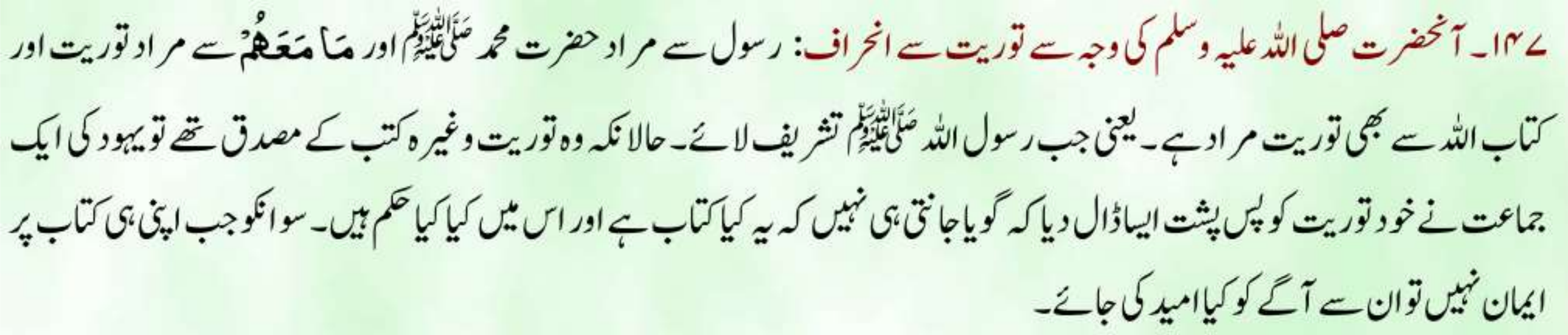

۱۴۷۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے توریت سے انحراف:** رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ اور **مَا مَعَهُمْ** سے مراد توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتی ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ سو انکو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

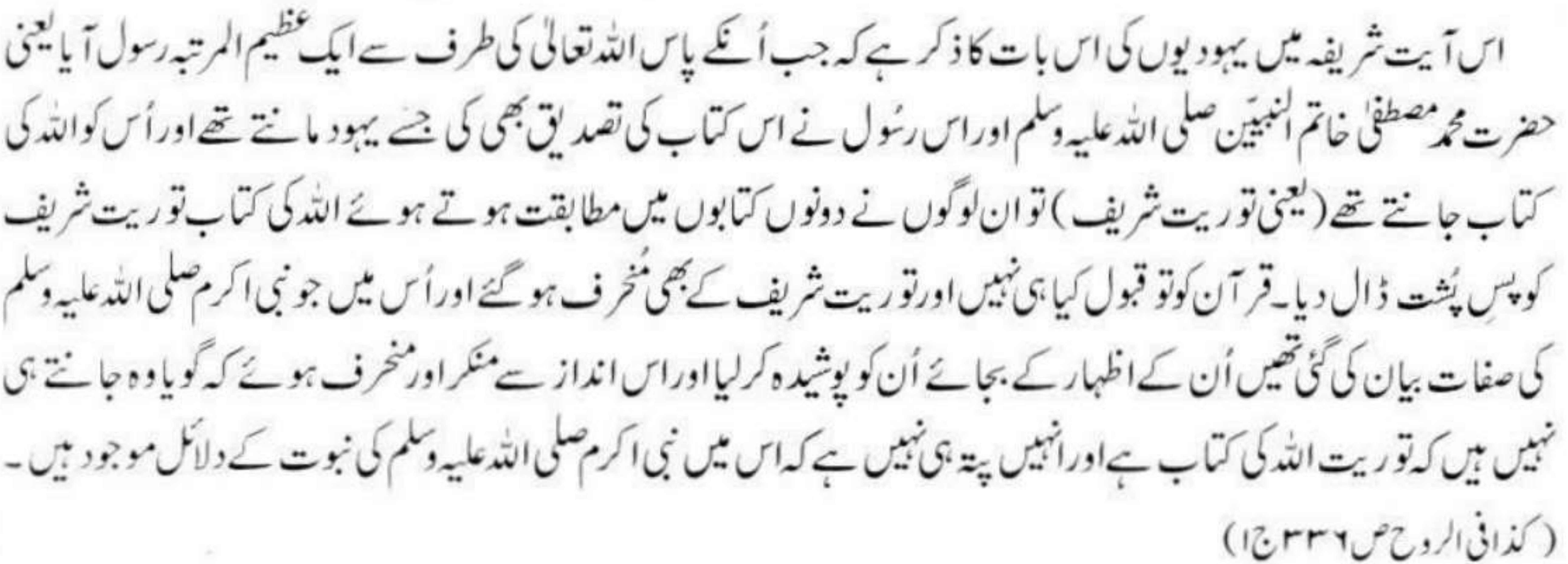

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ جب اُنکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم المرتبہ رسول آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم اور اس رسُول نے اس کتاب کی تصدیق بھی کی جسے یہود مانتے تھے اور اُس کو اللہ کی کتاب جانتے تھے (یعنی توریت شریف) تو ان لوگوں نے دونوں کتابوں میں مطابقت ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب توریت شریف کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ قرآن کو تو قبول کیا ہی نہیں اور توریت شریف کے بھی مُنحرف ہوگئے اور اُس میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی گئی تھیں اُن کے اظہار کے بجائے اُن کو پوشیدہ کرلیا اور اس انداز سے منکر اور منحرف ہوئے کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل موجود ہیں۔

(کذافی الروح ص ۳۳۶ ج ۱)

## مفتی شفیعؒ عثمانی ( معارف القرآن میں ) فرماتے ہیں کہ :

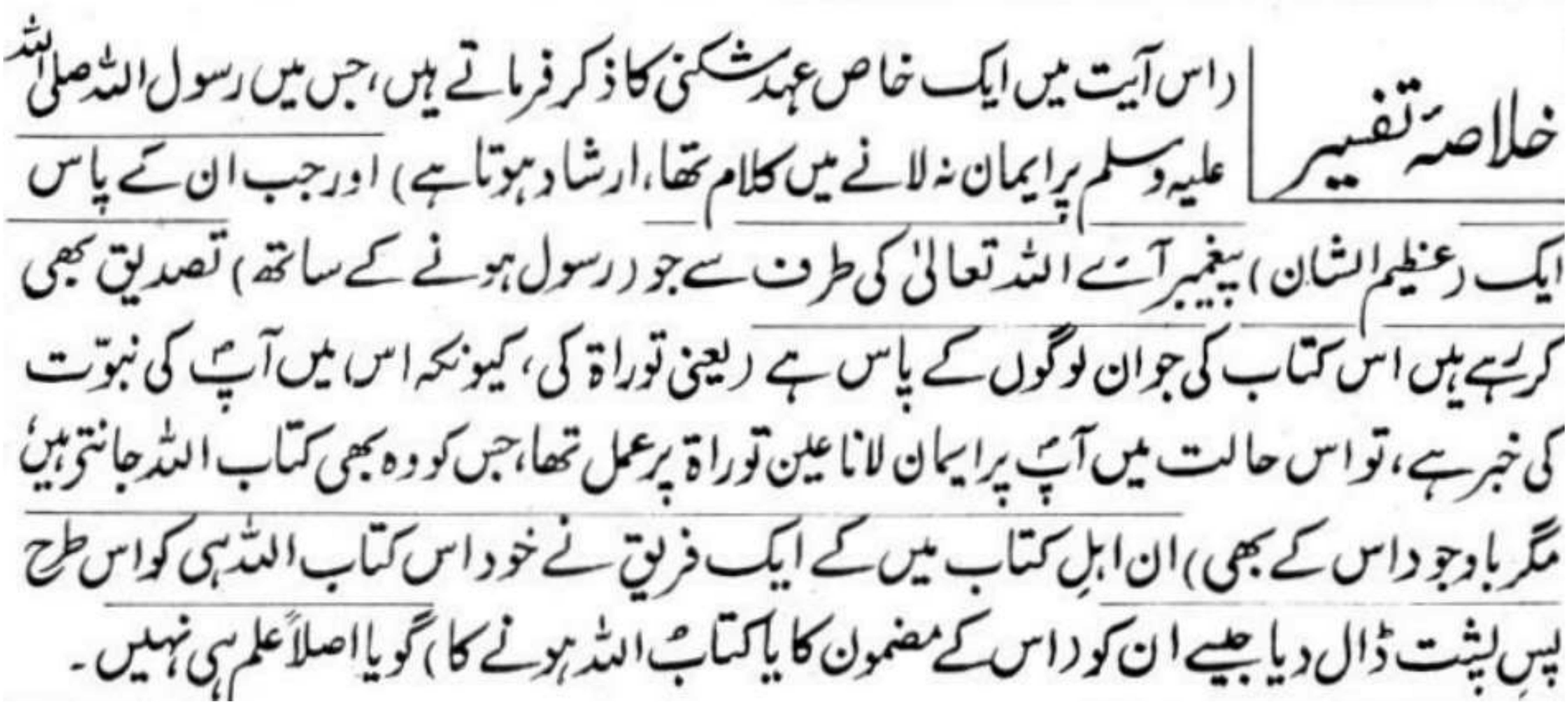

**خلاصۂ تفسیر**

(اس آیت میں ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے میں کلام تھا، ارشاد ہوتا ہے) اور جب ان کے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو (رسول ہونے کے ساتھ) تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی، کیونکہ اس میں آپؐ کی نبوت کی خبر ہے، تو اس حالت میں آپؐ پر ایمان لانا عین توراۃ پر عمل تھا، جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں، مگر باوجود اس کے بھی) ان اہلِ کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا جیسے ان کو (اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا) گویا اصلاً علم ہی نہیں۔

## ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

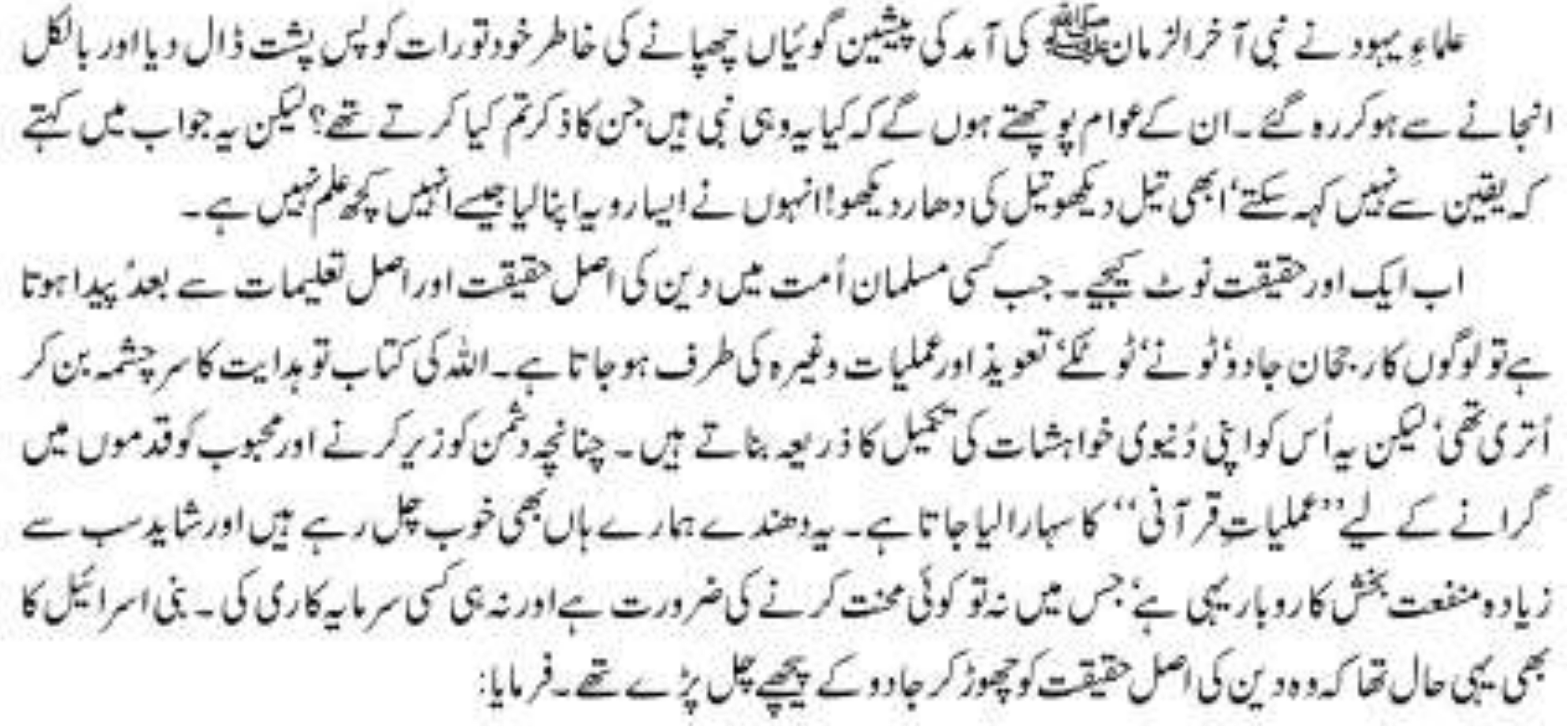

علماءِ یہود نے نبی آخرالزمان ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیاں چھپانے کی خاطر خود تورات کو پس پشت ڈال دیا اور بالکل انجانے سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے عوام پوچھتے ہوں گے کہ کیا یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم کیا کرتے تھے؟ لیکن یہ جواب میں کہتے کہ یقین سے نہیں کہہ سکتے' ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو! انہوں نے ایسا رویہ اپنا لیا جیسے انہیں کچھ علم نہیں ہے۔

اب ایک اور حقیقت نوٹ کیجیے۔ جب کسی مسلمان اُمت میں دین کی اصل حقیقت اور اصل تعلیمات سے بُعد پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا رجحان جادو' ٹونے' ٹوٹکے' تعویذ اور عملیات وغیرہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب تو ہدایت کا سرچشمہ بن کر اُتری تھی' لیکن یہ اُس کو اپنی دُنیوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بناتے ہیں۔ چنانچہ دشمن کو زیر کرنے اور محبوب کو قدموں میں گرانے کے لیے ''عملیاتِ قرآنی'' کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ دھندے ہمارے ہاں بھی خوب چل رہے ہیں اور شاید سب سے زیادہ منفعت بخش کاروبار یہی ہے' جس میں نہ تو کوئی محنت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سرمایہ کاری کی۔ بنی اسرائیل کا بھی یہی حال تھا کہ وہ دین کی اصل حقیقت کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے چل پڑے تھے۔ فرمایا:

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
السِّحْرَ ۗ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ قف وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا
بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

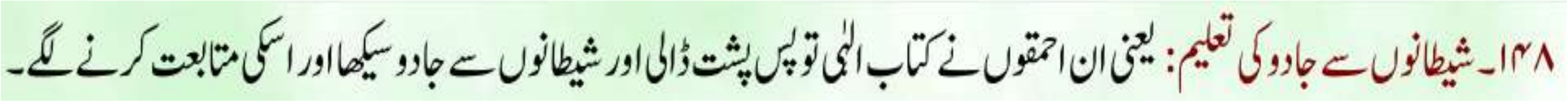

۱۴۸۔ **شیطانوں سے جادو کی تعلیم:** یعنی ان احمقوں نے کتاب الٰہی تو پس پشت ڈالی اور شیطانوں سے جادو سیکھا اور اسکی متابعت کرنے لگے۔

## شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

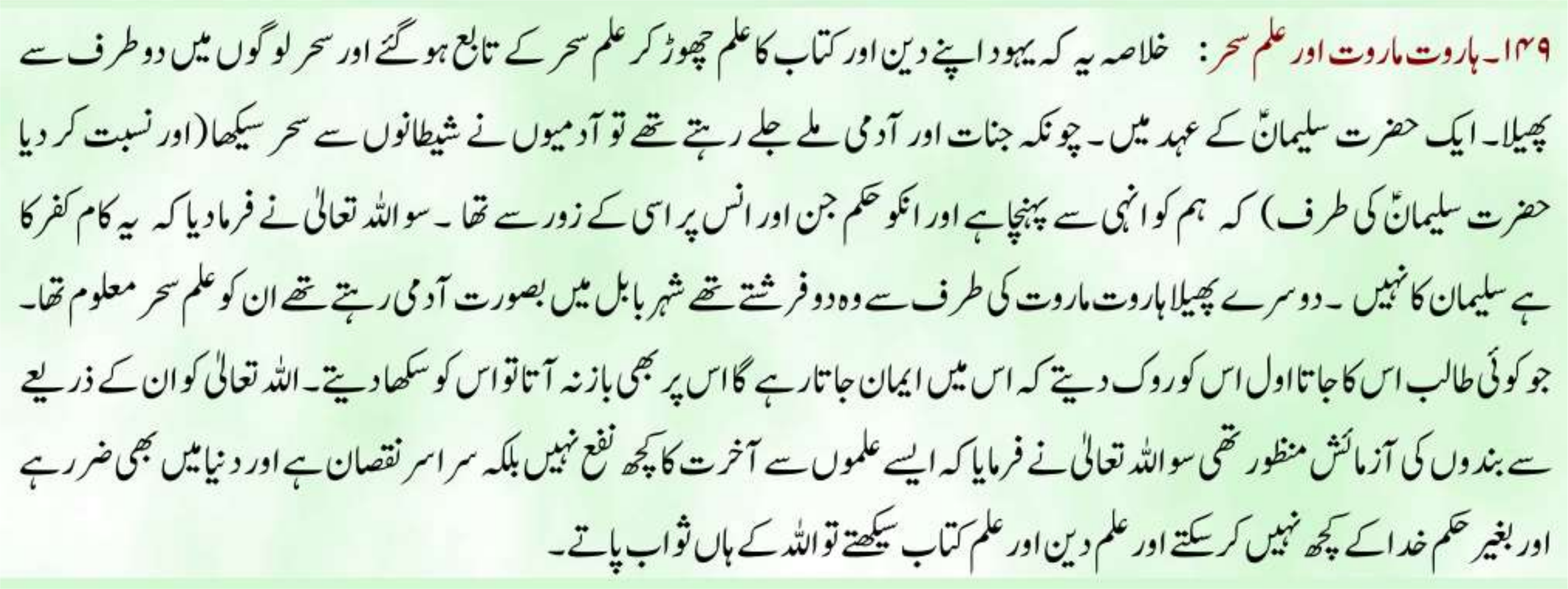

**۱۴۹۔ ہاروت ماروت اور علم سحر:** خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمانؑ کے عہد میں۔ چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے سحر سیکھا (اور نسبت کر دیا حضرت سلیمانؑ کی طرف) کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور انکو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں۔ دوسرے پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی طالب اس کا جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہے گا اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعے سے بندوں کی آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور بغیر حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔

# مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ (گلدستہ تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

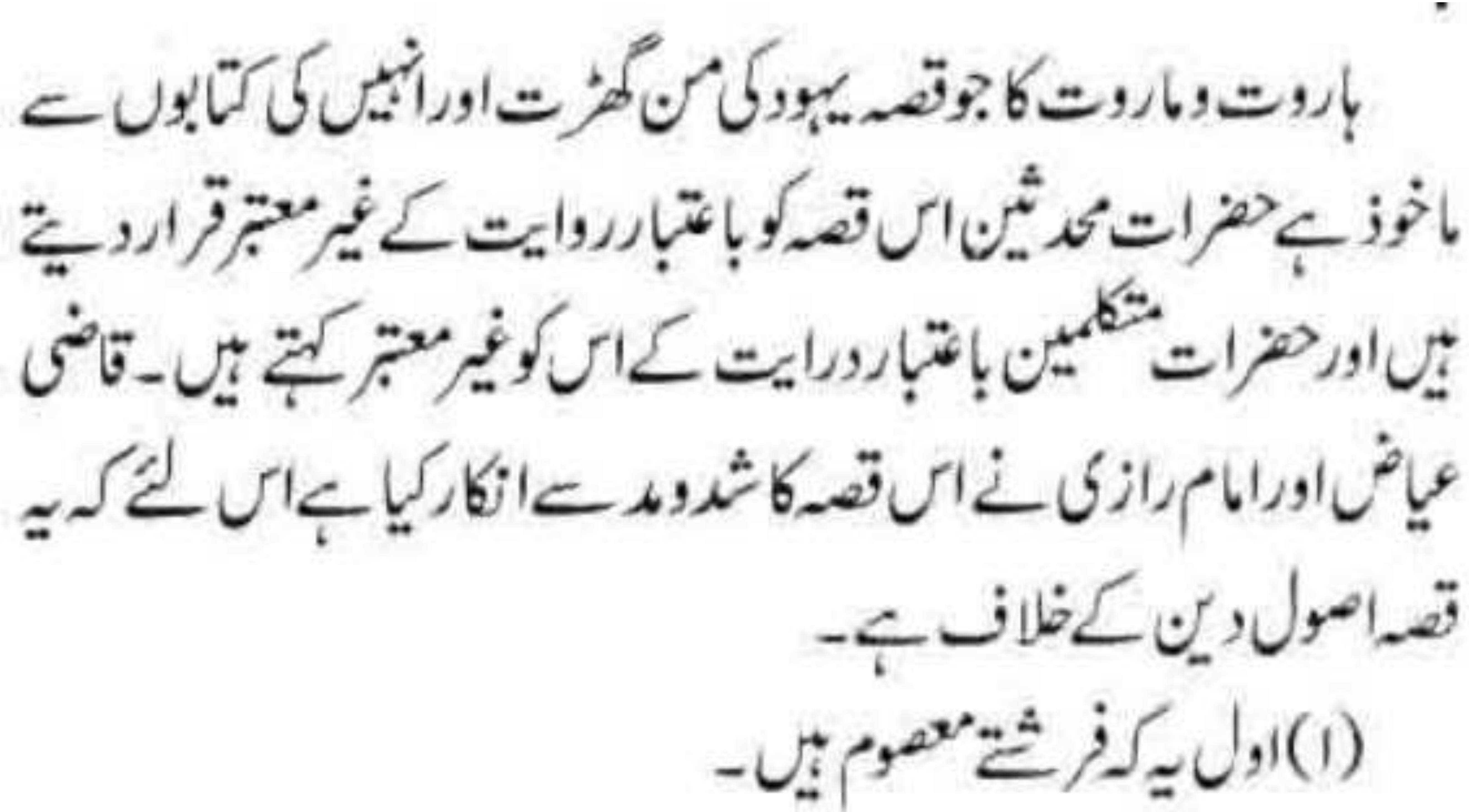

ہاروت وماروت کا جو قصہ یہود کی من گھڑت اور انہیں کی کتابوں سے ماخوذ ہے حضرات محدثین اس قصہ کو باعتبار روایت کے غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور حضرات متکلمین باعتبار درایت کے اس کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ قاضی عیاض اور امام رازی نے اس قصہ کا شدومد سے انکار کیا ہے اس لئے کہ یہ قصہ اصول دین کے خلاف ہے۔

(ا) اول یہ کہ فرشتے معصوم ہیں۔

جاری ہے

### مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ (گلدستہ تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

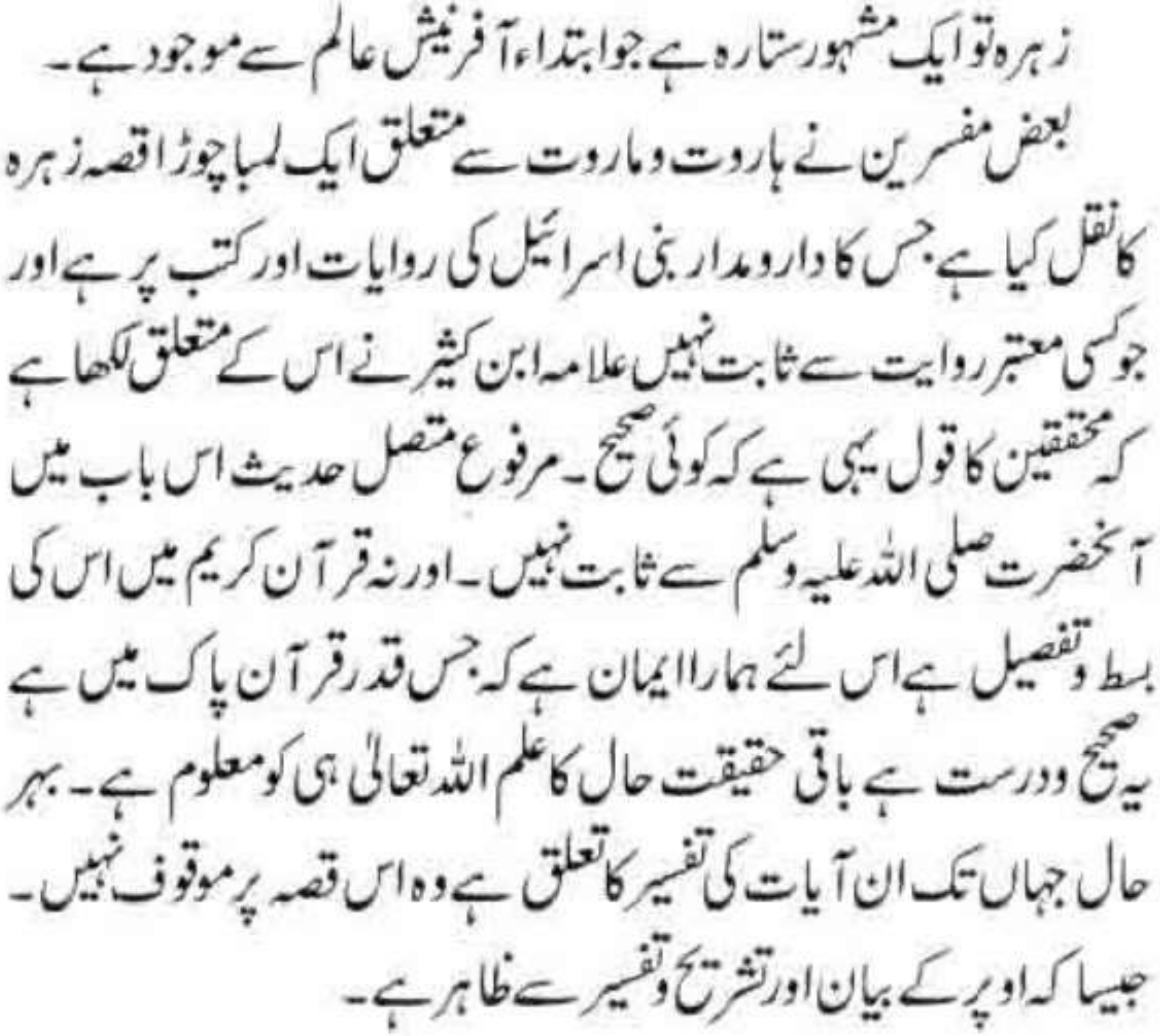

زہرہ تو ایک مشہور ستارہ ہے جو ابتداء آفرینش عالم سے موجود ہے۔

بعض مفسرین نے ہاروت و ماروت سے متعلق ایک لمبا چوڑا قصہ زہرہ کا نقل کیا ہے جس کا دارومدار بنی اسرائیل کی روایات اور کتب پر ہے اور جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں علامہ ابن کثیر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ محققین کا قول یہی ہے کہ کوئی صحیح۔ مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ قرآن کریم میں اس کی بسط و تفصیل ہے اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن پاک میں ہے یہ صحیح و درست ہے باقی حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بہر حال جہاں تک ان آیات کی تفسیر کا تعلق ہے وہ اس قصہ پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ اوپر کے بیان اور تشریح و تفسیر سے ظاہر ہے۔

# مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

(٦٦) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور بدعملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ جادو ٹونے کے پیچھے لگنا شرعاً ناجائز تھا، بالخصوص اگر جادو میں شرکیہ کلمات منتر کے طور پر پڑھے جائیں تو ایسا جادو کفر کے مرادف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ شیاطین نے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہو سکتے ہیں، بعض یہودیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا سارا راز جادو میں مضمر ہے، اور اگر تم جادو سیکھ لو گے تو تمہیں بھی حیرت انگیز اِقتدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ جادو سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں لگ گئے، حالانکہ جادو پر عمل کرنا نہ صرف ناجائز تھا، بلکہ اس کی بعض قسمیں کفر تک پہنچتی تھیں۔ دوسرا غضب یہودیوں نے یہ کیا کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر ان کے بارے میں یہ مشہور کردیا کہ انہوں نے آخری عمر میں بتوں کو پوجنا شروع کردیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹی داستانیں انہوں

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

نے اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر دیں جو آج تک بائبل میں درج چلی آتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۱-۱ تا ۲۱ میں ان کے معاذ اللہ مرتد ہونے کا بیان آج بھی موجود ہے۔ قرآنِ کریم نے اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس ناپاک بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے قرآنِ کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہے، وہ کتنا غلط الزام ہے۔ یہاں قرآنِ کریم صریح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی تردید کر رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ خود معلوم کر سکتے کہ یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس بات کا علم آپ کو وحی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا یہ آیت بذاتِ خود آپ کے صاحبِ وحی رسول ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ بتلایا کہ یہودیوں کی کتابوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا بہتان لگایا گیا ہے، بلکہ اس قدر جم کر اس کی تردید فرمائی ہے۔

جاری ہے

# مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٦٧) بابل عراق کا مشہور شہر تھا۔ ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، اور یہودی بھی اس ناجائز کام میں بُری طرح ملوّث ہو گئے تھے۔ انبیائے کرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تو وہ بات نہ مانتے تھے۔ اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادوگروں کے شعبدوں کو معجزے سمجھ کر انہیں اپنا دِینی مقتدا بنا لیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دُنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تا کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معجزہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جادو کے ذریعے جو کوئی شعبدہ دِکھایا جاتا ہے وہ اسی عالمِ اسباب کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بتانے پڑتے تھے تا کہ یہ دِکھایا جا سکے کہ کس طرح وہ سبب اور مسبّب کے رشتے سے منسلک ہیں، لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تو ساتھ ساتھ لوگوں کو متنبہ بھی کر دیتے تھے کہ

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

یاد رکھو! یہ طریقے ہم اس لئے نہیں بتا رہے ہیں کہ تم ان پر عمل شروع کر دو، بلکہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو، اور تم جادو سے پرہیز کرو۔ اس لحاظ سے ہمارا وجود تمہارے لئے ایک امتحان ہے کہ ہماری باتوں کو سمجھ کر تم جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر ان پر عمل شروع کر دیتے ہو۔ یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا، خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نہ ہو، انبیائے کرام کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بہت سے تکوینی کام لئے جاسکتے ہیں۔ بہر حال! نافرمان لوگوں نے ان فرشتوں کی طرف سے کہی ہوئی باتوں کو تو نظر انداز کر دیا، اور ان کے بتائے ہوئے فارمولوں کو جادو کرنے میں استعمال کیا اور وہ بھی ایسے گھناؤنے مقاصد کے لئے جو ویسے بھی حرام تھے، مثلاً میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٦٨) یہاں سے جملۂ معترضہ کے طور پر ایک اور اُصولی غلطی پر متنبہ کیا جارہا ہے، اور وہ یہ کہ جادو پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جادو میں بذاتِ خود ایسی تاثیر موجود ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ خود بخود اللہ کے حکم کے بغیر بھی برآمد ہوجاتا ہے، گویا اللہ چاہے یا نہ چاہے، وہ نتیجہ پیدا ہوکر رہے گا۔ یہ عقیدہ بذاتِ خود کفر تھا۔ اس لئے یہ واضح کردیا گیا کہ دُنیا کے دوسرے اسباب کی طرح جادو بھی محض ایک سبب ہے اور دُنیا میں کوئی سبب بھی اپنا مسبّب یا نتیجہ اس وقت تک ظاہر نہیں کرسکتا جب تک اللہ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ کائنات کی کسی چیز میں بذاتِ خود نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہٰذا اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

اللہ کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ البتہ چونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ تکوینی مصلحت کے مطابق سمجھتا ہے تو اپنی مشیت سے وہ کام کرا دیتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ظالم کو گناہ اور مظلوم کو ثواب ملتا ہے، ورنہ اگر اللہ اسے اس کام کی قدرت ہی نہ دے تو امتحان کیسے ہو؟ لہٰذا جتنے گناہ کے کام دُنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رضامندی ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضامندی میں فرق یہی ہے کہ مشیت اچھے بُرے ہر کام سے متعلق ہوسکتی ہے، مگر رضامندی صرف جائز اور ثواب کے کاموں سے مخصوص ہے۔

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٦٩) اس آیت کے شروع میں تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جو مشرکانہ جادو کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، لیکن آیت کے آخری حصے میں فرمایا ہے کہ " کاش وہ علم رکھتے" جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ بظاہر دونوں باتیں متضاد لگتی ہیں، لیکن درحقیقت اس اندازِ بیان سے یہ عظیم سبق دیا گیا ہے کہ نرا علم جس پر عمل نہ ہو حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وہ کالعدم ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ بات جانتے تو ہیں مگر ان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ علم کس کام کا؟ کاش کہ وہ حقیقی علم رکھتے تو اس پر ان کا عمل بھی ہوتا۔

## ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہوگیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا، اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمانؑ نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے۔ اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا۔ وہ حضرت سلیمانؑ کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے۔ اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ''عَلٰی'' یہاں پر ''فِی'' کے معنی میں ہے یا ''تَتْلُوْا'' متضمن ہے تَکْذِیْبُ کا، یہی اولی اور احسن ہے۔ واللہ اعلم۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

جادوگری کا سلسلہ پُرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں، جادو بھی ایک سبب ہے، جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی اُمت کے لوگوں نے کہا: اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی اُمت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ تو مشہور ہی ہے اور یہ جادوگری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا۔ ایک یہودی نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ (ص ۸۵۸ ج ۲) اور اب بھی جادوگر دنیا میں موجود ہیں اور جادوگری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اوّل تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب اُنہوں نے پسِ پُشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں جو شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے اُنہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

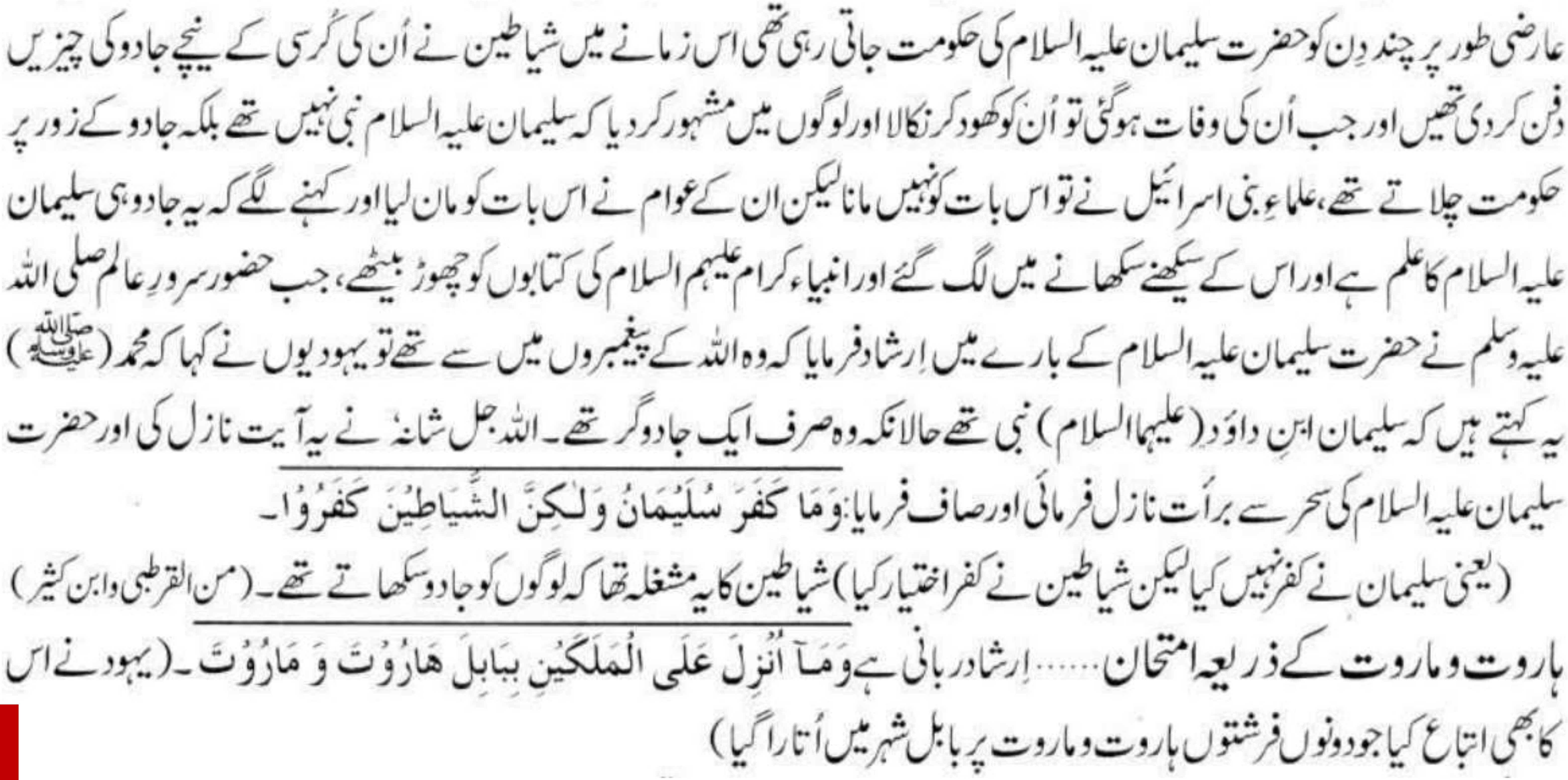

عارضی طور پر چند دِن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے اُن کی کُرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کردی تھیں اور جب اُن کی وفات ہوگئی تو اُن کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں مشہور کردیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے، علماءِ بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے، جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ سلیمان ابنِ داوٗد (علیہما السلام) نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سحر سے برأت نازل فرمائی اور صاف فرمایا: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا۔

(یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا) شیاطین کا یہ مشغلہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر)

**ہاروت و ماروت کے ذریعہ امتحان** ...... اِرشادِ ربانی ہے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ۔ (یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اُتارا گیا)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

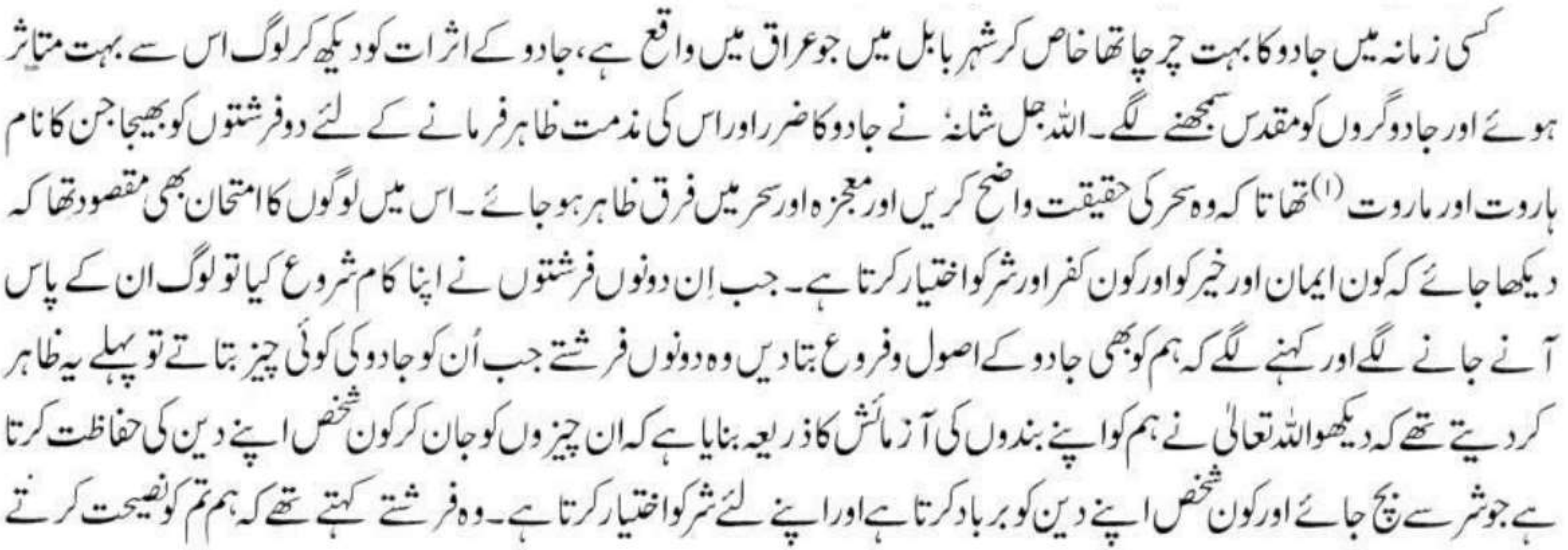

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے، جادو کے اثرات کو دیکھ کر لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے اور جادوگروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہٗ نے جادو کا ضرر اور اس کی مذمت ظاہر فرمانے کے لئے دو فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ہاروت اور ماروت (۱) تھا تا کہ وہ سحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو جائے۔ اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب اِن دونوں فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع بتا دیں وہ دونوں فرشتے جب اُن کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے جو شر سے بچ جائے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لئے شر کو اختیار کرتا ہے۔ وہ فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

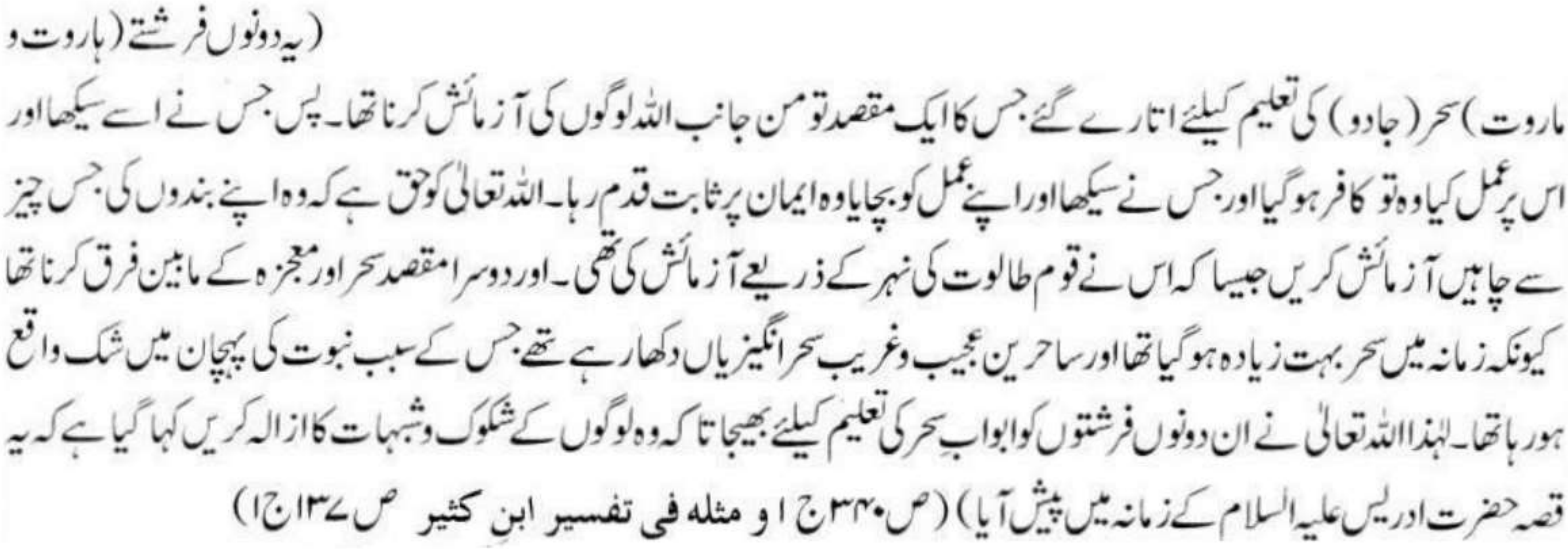

(یہ دونوں فرشتے (ہاروت و ماروت) سحر (جادو) کی تعلیم کیلئے اتارے گئے. جس کا ایک مقصد تو من جانب اللہ لوگوں کی آزمائش کرنا تھا۔ پس جس نے اسے سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ تو کافر ہو گیا اور جس نے سیکھا اور اپنے عمل کو بچایا وہ ایمان پر ثابت قدم رہا۔ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کی جس چیز سے چاہیں آزمائش کریں جیسا کہ اس نے قوم طالوت کی نہر کے ذریعے آزمائش کی تھی۔ اور دوسرا مقصد سحر اور معجزہ کے مابین فرق کرنا تھا کیونکہ زمانہ میں سحر بہت زیادہ ہو گیا تھا اور ساحرین عجیب وغریب سحر انگیزیاں دکھا رہے تھے. جس کے سبب نبوت کی پہچان میں شک واقع ہو رہا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں کو ابوابِ سحر کی تعلیم کیلئے بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں کہا گیا ہے کہ یہ قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا) (ص ۳۴۰ ج ۱ و مثلہ فی تفسیر ابنِ کثیر ص ۱۳۷ ج ۱)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

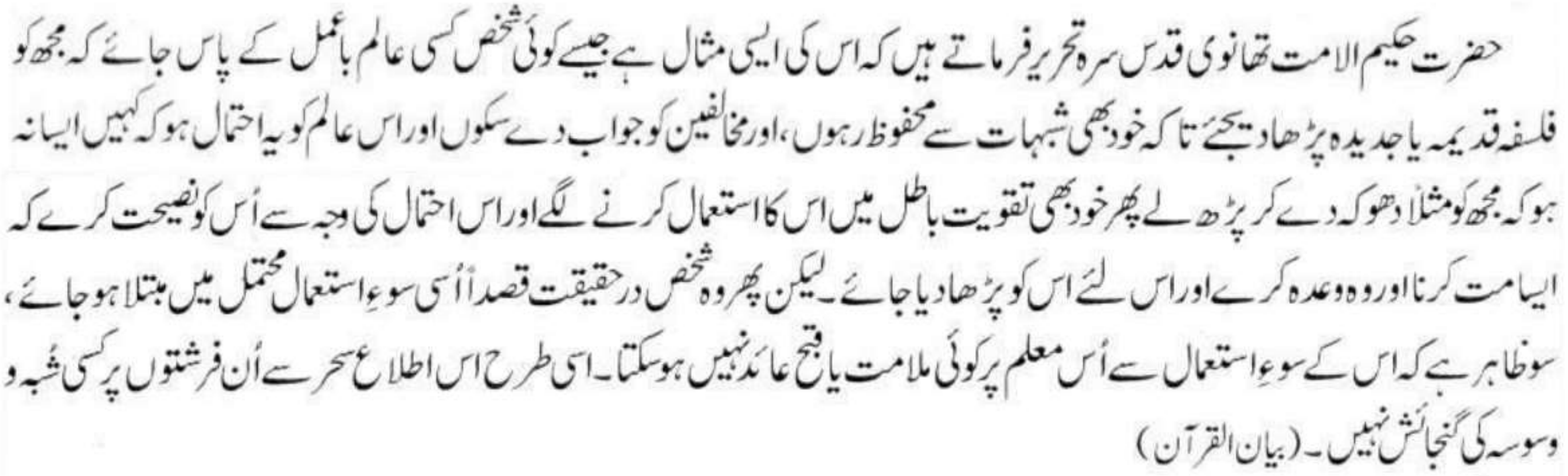

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھا دیجئے تاکہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں، اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے اور اس احتمال کی وجہ سے اُس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اُسی سوءِ استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے، سو ظاہر ہے کہ اس کے سوءِ استعمال سے اُس معلم پر کوئی ملامت یا قبح عائد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اس اطلاع سحر سے اُن فرشتوں پر کسی شبہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

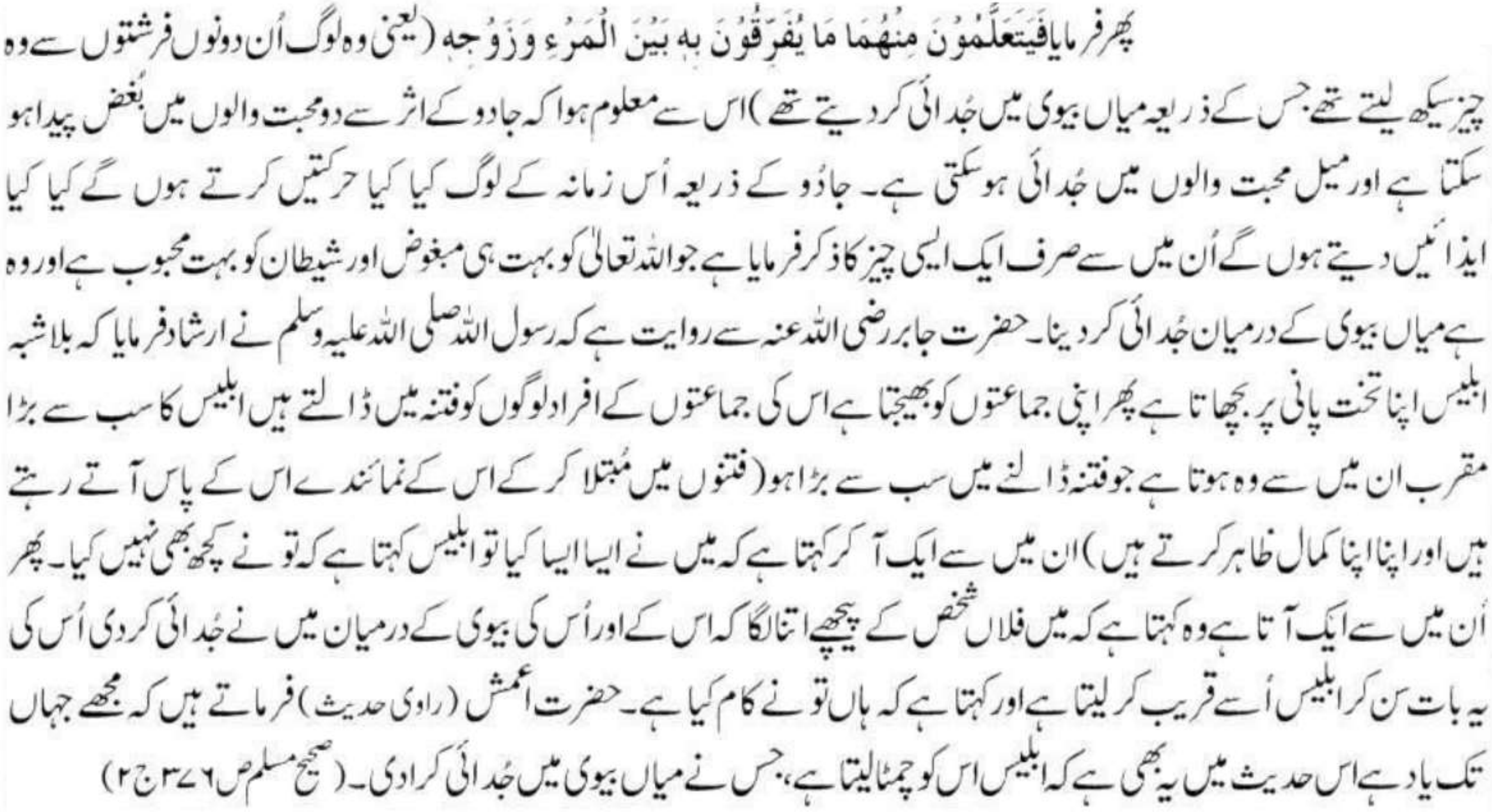

پھر فرمایا فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (یعنی وہ لوگ اُن دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جُدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے دو محبت والوں میں بُغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جُدائی ہو سکتی ہے۔ جادُو کے ذریعہ اُس زمانہ کے لوگ کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے اُن میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مبغوض اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جُدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اس کی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مُبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر اُن میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان میں نے جُدائی کر دی اُس کی یہ بات سن کر ابلیس اُسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت اعمش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے، جس نے میاں بیوی میں جُدائی کرا دی۔ (صحیح مسلم ص۳۷۶ ج۲)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

پھر فرمایا: وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتادی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخم ہو جانا اور بعض مشہور دواؤں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ بھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لئے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلائے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے کچھ اثر نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو چھری سے کچھ بھی نہ کٹے (جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھری ذبح نہ کرسکی) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

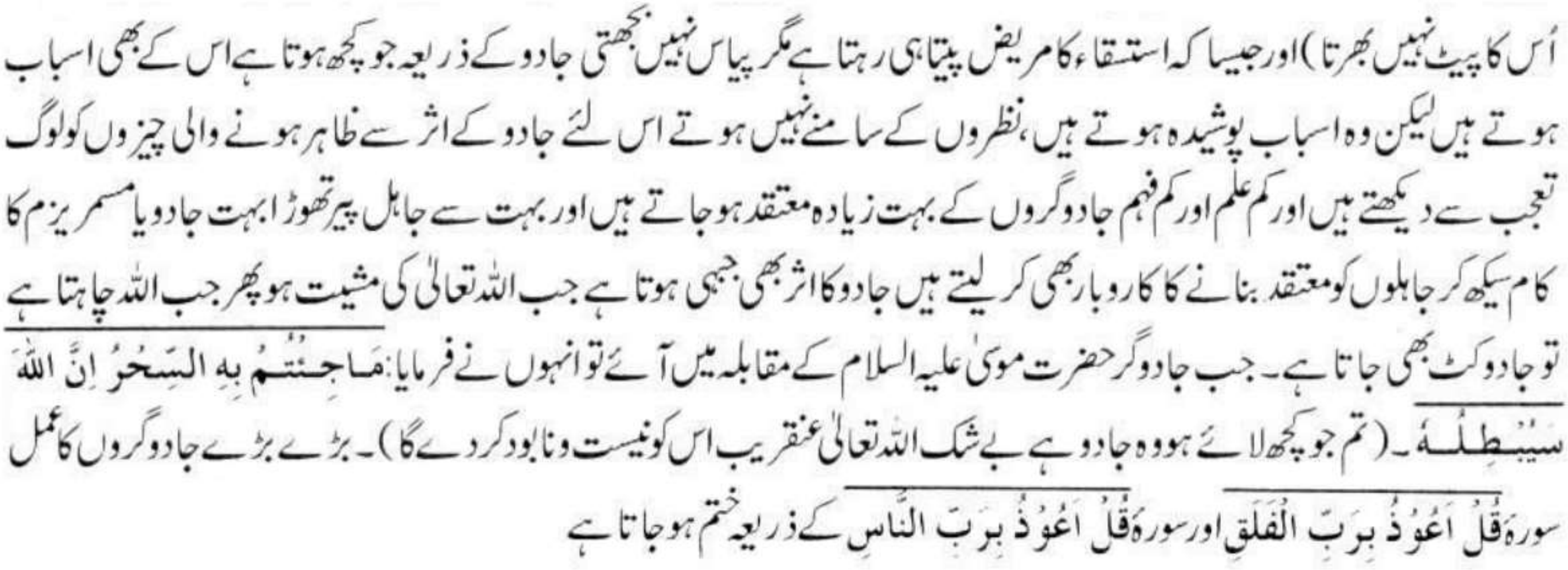

اُس کا پیٹ نہیں بھرتا) اور جیسا کہ استقاء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے بھی اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں، نظروں کے سامنے نہیں ہوتے اس لئے جادو کے اثر سے ظاہر ہونے والی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم جادوگروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تھوڑا بہت جادو یا مسمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو معتقد بنانے کا کاروبار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جبھی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا: مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُهٗ۔ (تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا)۔ بڑے بڑے جادوگروں کا عمل سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

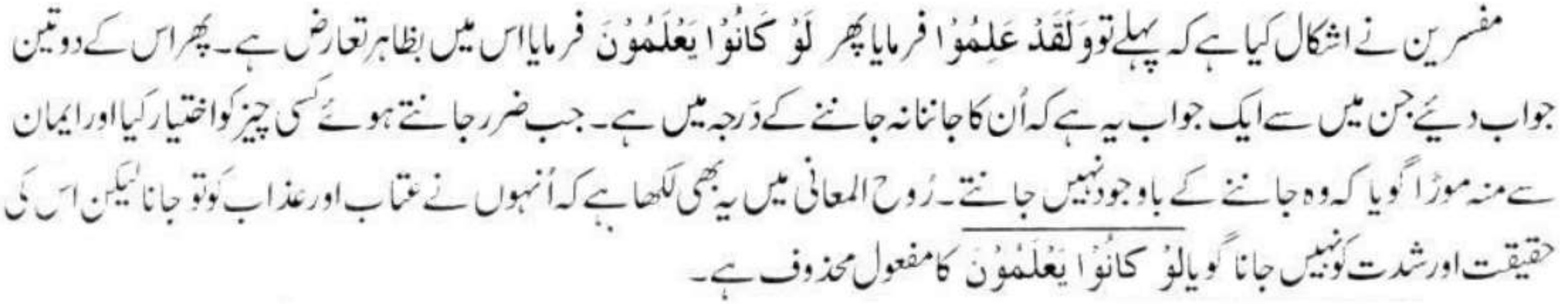

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو وَلَقَدْ عَلِمُوْا فرمایا پھر لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اُن کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور ایمان سے منہ موڑا گویا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ رُوح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اُنہوں نے عتاب اور عذاب کو تو جانا لیکن اس کی حقیقت اور شدت کو نہیں جانا گویا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

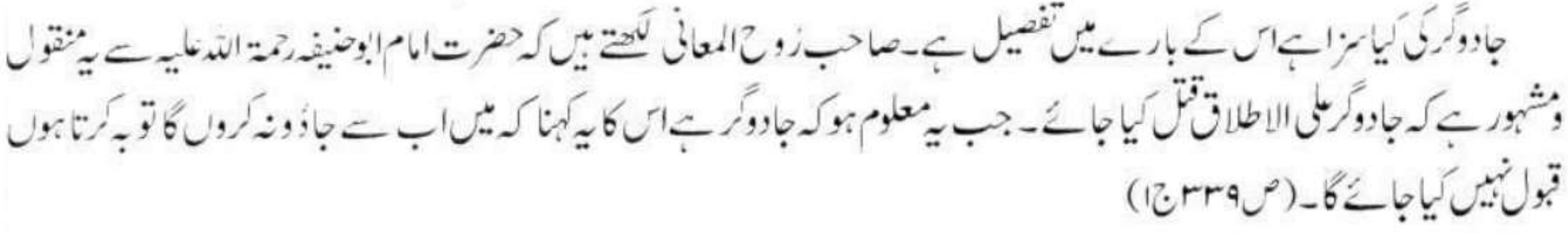

جادوگر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ومشہور ہے کہ جادوگر علی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہو کہ جادوگر ہے اس کا یہ کہنا کہ میں اب سے جادو نہ کروں گا توبہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ص۳۳۹ج۱)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

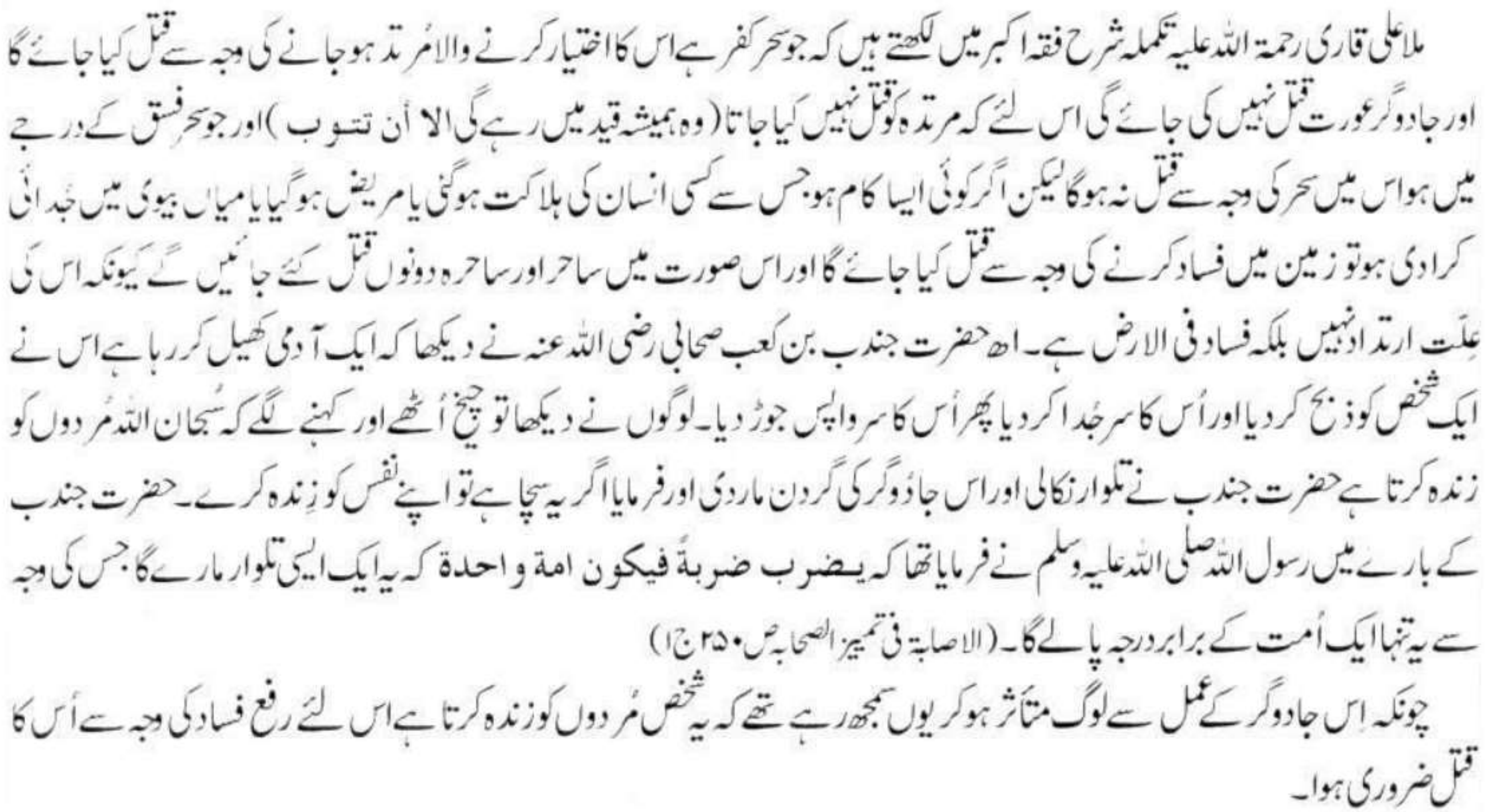

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تکملہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مُرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جادوگر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لئے کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا أن تتوب) اور جو سحر فسق کے درجے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ہلاکت ہوگئی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جُدائی کرادی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ دونوں قتل کئے جائیں گے کیونکہ اس کی عِلّت ارتداد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے۔ اھ حضرت جندب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو ذبح کر دیا اور اُس کا سر جُدا کر دیا پھر اُس کا سر واپس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اُٹھے اور کہنے لگے کہ سُبحان اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے حضرت جندب نے تلوار نکالی اور اس جادوگر کی گردن ماردی اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زِندہ کرے۔ حضرت جندب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یضرب ضربةً فیکون امة واحدة کہ یہ ایک ایسی تلوار مارے گا جس کی وجہ سے یہ تنہا ایک اُمت کے برابر درجہ پالے گا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ص ۲۵۰ ج ۱)

چونکہ اِس جادوگر کے عمل سے لوگ متأثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مُردوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے رفع فساد کی وجہ سے اُس کا قتل ضروری ہوا۔

# ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

اب اس حدیث کو سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں۔ کیسے نافرمان اور سرکش ہیں۔ ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو۔ میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدمؑ کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا‘ زنا نہ کرنا‘ شراب نہ پینا‘ اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے

جاری ہے

## ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

حسین وشکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتوں ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا' اس نے کہا' اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا' وہ چلی گئی' پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا' وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو' انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے' سب تم نے کر ڈالے۔ یہ نادم ہوئے' انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کیے۔ صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے۔ اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی اللہ کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں بحوالہ: تفسیر روح المعانی) فرماتے ہیں کہ:

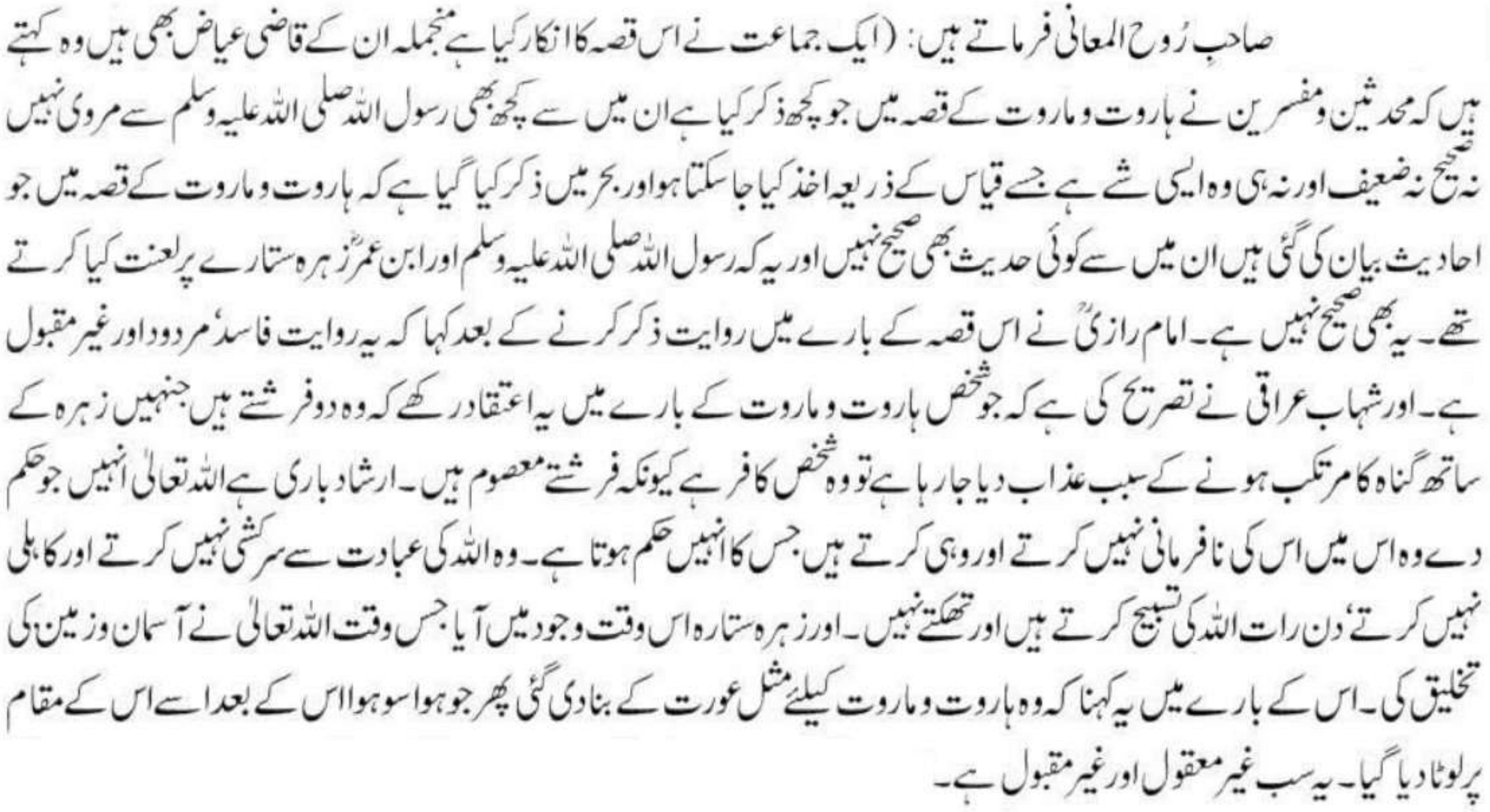

صاحبِ رُوح المعانی فرماتے ہیں: (ایک جماعت نے اس قصہ کا انکار کیا ہے منجملہ ان کے قاضی عیاض بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ محدثین ومفسرین نے ہاروت و ماروت کے قصہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں نہ صحیح نہ ضعیف اور نہ ہی وہ ایسی شے ہے جسے قیاس کے ذریعہ اخذ کیا جا سکتا ہو اور بحر میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہاروت و ماروت کے قصہ میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمرؓ زہرہ ستارے پر لعنت کیا کرتے تھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ امام رازیؒ نے اس قصہ کے بارے میں روایت ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ روایت فاسد، مردود اور غیر مقبول ہے۔ اور شہاب عراقی نے تصریح کی ہے کہ جو شخص ہاروت و ماروت کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ دو فرشتے ہیں جنہیں زہرہ کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہونے کے سبب عذاب دیا جا رہا ہے تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں۔ ارشاد باری ہے اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور کاہلی نہیں کرتے، دن رات اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ اور زہرہ ستارہ اس وقت وجود میں آیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہاروت و ماروت کیلئے مثل عورت کے بنا دی گئی پھر جو ہوا سو ہوا اس کے بعد اسے اس کے مقام پر لوٹا دیا گیا۔ یہ سب غیر معقول اور غیر مقبول ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں بحوالہ : تفسیر روح المعانی) فرماتے ہیں کہ :

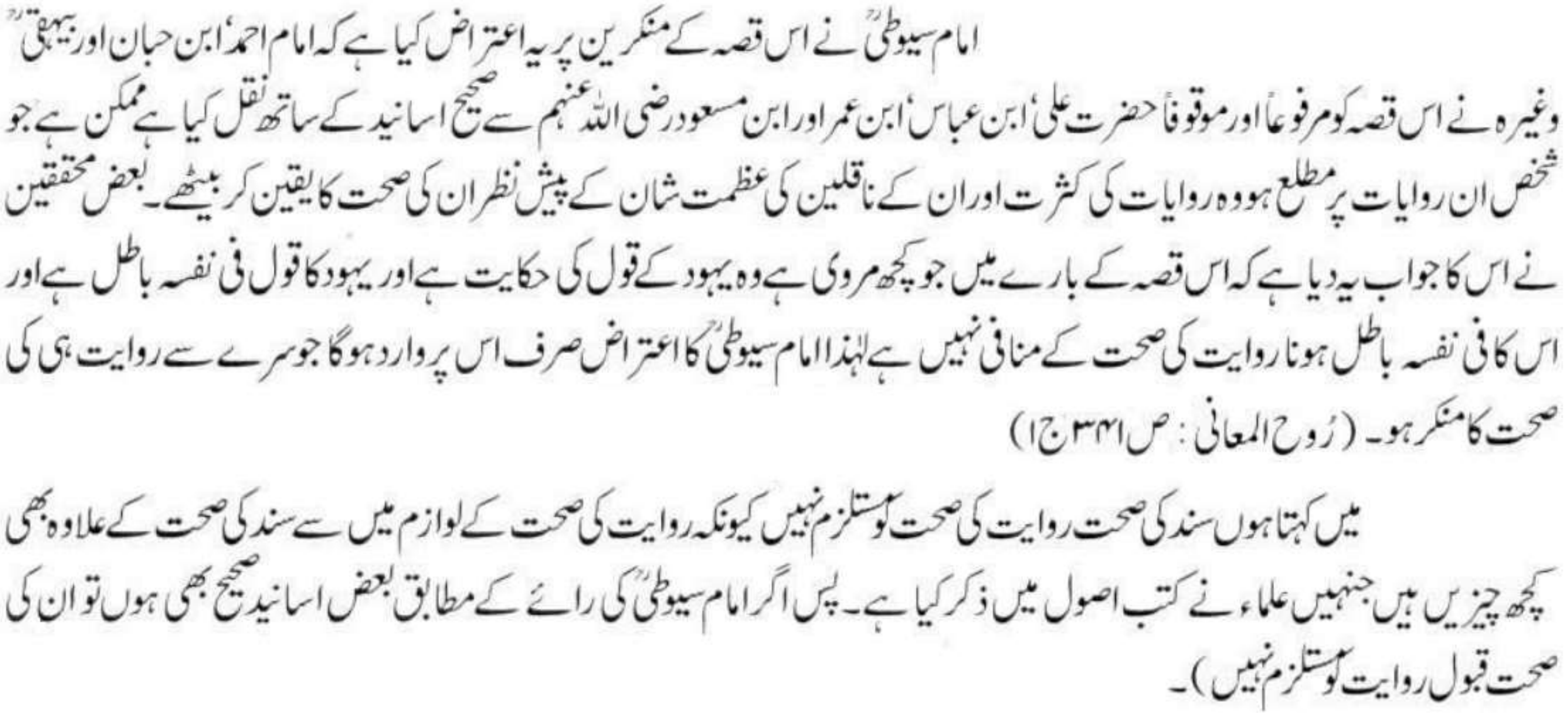

امام سیوطیؒ نے اس قصہ کے منکرین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام احمدؒ ابن حبان اور بیہقیؒ وغیرہ نے اس قصہ کو مرفوعاً اور موقوفاً حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے صحیح اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے جو شخص ان روایات پر مطلع ہو وہ روایات کی کثرت اور ان کے ناقلین کی عظمت شان کے پیش نظر ان کی صحت کا یقین کر بیٹھے۔ بعض محققین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس قصہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ یہود کے قول کی حکایت ہے اور یہود کا قول فی نفسہ باطل ہے اور اس کا فی نفسہ باطل ہونا روایت کی صحت کے منافی نہیں ہے لہٰذا امام سیوطیؒ کا اعتراض صرف اس پر وارد ہوگا جو سرے سے روایت ہی کی صحت کا منکر ہو۔ (رُوح المعانی : ص ۳۴۱ ج ۱)

میں کہتا ہوں سند کی صحت روایت کی صحت کو مستلزم نہیں کیونکہ روایت کی صحت کے لوازم میں سے سند کی صحت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جنہیں علماء نے کتب اصول میں ذکر کیا ہے۔ پس اگر امام سیوطیؒ کی رائے کے مطابق بعض اسانید صحیح بھی ہوں تو ان کی صحت قبول روایت کو مستلزم نہیں)۔

## مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

آیات مذکورہ کی تفسیر اور شانِ نزول میں نقل کی ہوئی اسرائیلی روایات سے بہت سے لوگوں کو مختلف قسم کے شبہات پیش آتے ہیں، ان شبہات کا حل سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے نہایت واضح اور سہل انداز میں فرمایا ہے، اس جگہ اس کو بعینہٖ نقل کر دینا کافی ہے، وہ یہ ہے:

ا۔ یہ بیوقوف لوگ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے، یہودی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے درمیانِ آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت بھی ظاہر فرما دی۔

جاری ہے

# مفتی شفیع عثمانیؒ ( معارف القرآن میں ) فرماتے ہیں کہ:

۲۔ ان آیتوں سے یہودیوں کی برائی کرنا مقصود ہے، کیونکہ ان میں جادو کا چرچا تھا، ان آیتوں کے متعلق زہرہ کا ایک لمبا چوڑا قصہ بھی مشہور ہے، جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، جن علماء نے اس قصہ کو قواعدِ شرعیہ کے خلاف سمجھا ہے رَد کردیا ہے، اور جنھوں نے اس میں تاویل کو خلافِ شرع نہیں سمجھا ہی رَد نہیں کیا، ہمیں یہاں فی الوقت اس کے صحیح یا غلط ہونے سے بحث نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان آیات کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں، جیسے کہ ناظرین کو معارف و مسائل کے اس زیرِ عنوان مضمون سے اندازہ ہو جائے گا۔

۳۔ اور یہودی سب باتوں کے جاننے کے باوجود چونکہ عمل علم کے خلاف کرتے تھے، اور تدبر سے کام نہ لیتے تھے، اس لئے اوّل تو ان کے جاننے کی خبر دی، اور پھر آخر میں یہ کہہ کر اس کی نفی بھی کردی کہ "کاش ان کو علم و عقل ہوتی"۔ کیونکہ جس علم پر عمل اور تدبر نہ ہو وہ جہل کی مانند ہے۔

جاری ہے

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

۴۔ ایک زمانے میں جس کی پوری تعیین میں کوئی محققانہ رائے اس وقت سامنے نہیں، دنیا میں اور خصوصاً بابل میں جادو کا بہت چرچا تھا، اور اس کے عجیب اثرات کو دیکھ کر جاہلوں کو اس کی حقیقت اور انبیاء کرامؑ کے معجزات کی حقیقت میں اختلاط و اشتباہ ہونے لگا، اور بعض لوگ جادوگروں کو مقدس اور قابلِ اتباع سمجھنے لگے، اور بعض لوگ جادو کو نیک کام سمجھ کر اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے، جیسا موجودہ دور میں مسمریزم کے ساتھ لوگوں کا معاملہ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اشتباہ اور غلطی کے رفع کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے ہاروت و ماروت نامی اس کام کے لئے بھیجے کہ لوگوں کو سحر کی حقیقت اور اس کے شعبوں سے مطلع کر دیں تاکہ اشتباہ جاتا رہے، اور جادو پر عمل کرنے نیز جادوگروں کے اتباع کرنے سے اجتناب کر سکیں، اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو معجزات و دلائل سے ثابت کر دیا جاتا ہے، اسی طرح ہاروت و ماروت

جاری ہے

## مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

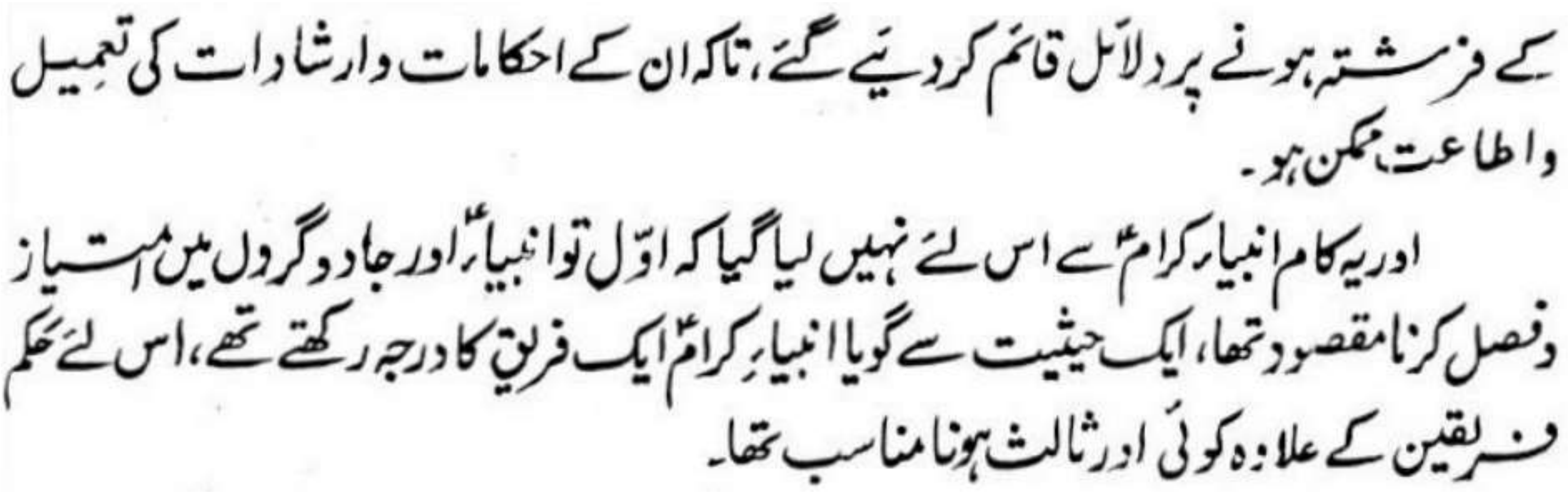

کے فرشتہ ہونے پر دلائل قائم کردیئے گئے، تاکہ ان کے احکامات وارشادات کی تعمیل واطاعت ممکن ہو۔

اور یہ کام انبیاء کرامؑ سے اس لئے نہیں لیا گیا کہ اوّل تو انبیاءؑ اور جادوگروں میں امتیاز وفصل کرنا مقصود تھا، ایک حیثیت سے گویا انبیاءِ کرامؑ ایک فریق کا درجہ رکھتے تھے، اس لئے حکم فریقین کے علاوہ کوئی اور ثالث ہونا مناسب تھا۔

# علامہ آلوسیؒ (تفسیر روح المعانی میں) فرماتے ہیں کہ:

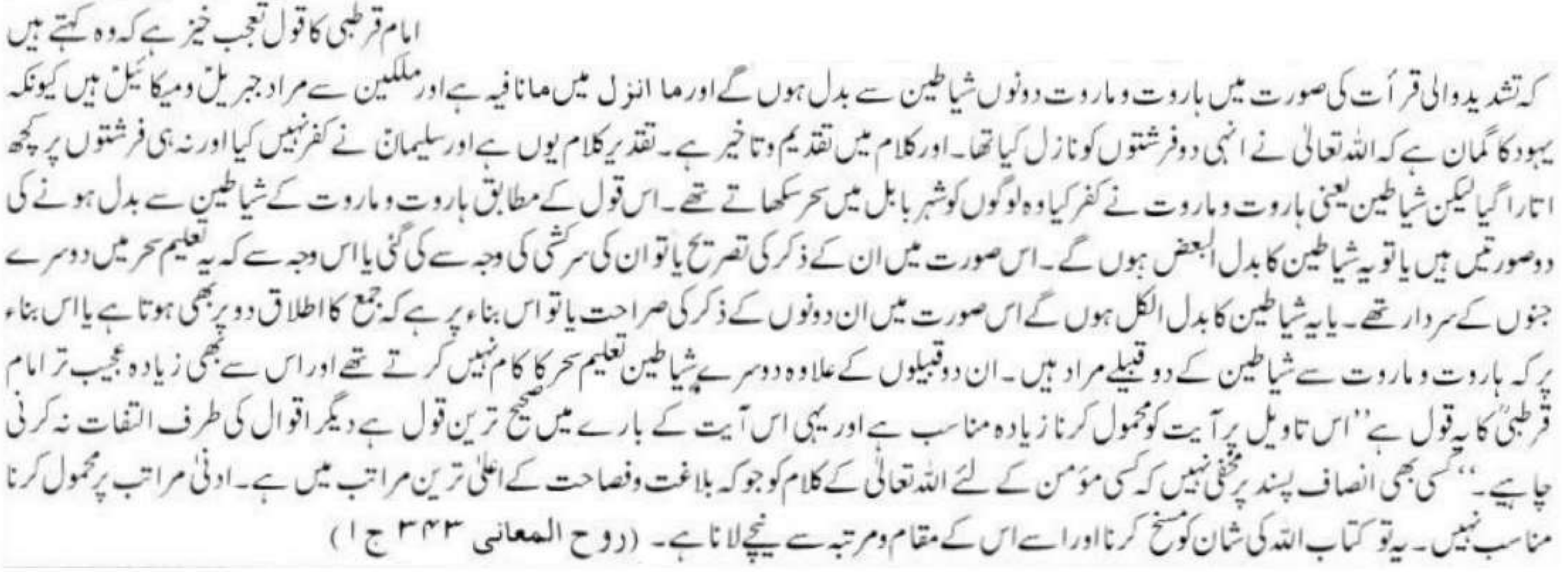

امام قرطبی کا قول تعجب خیز ہے کہ وہ کہتے ہیں

کہ تشدید والی قرأت کی صورت میں ہاروت و ماروت دونوں شیاطین سے بدل ہوں گے اور ما انزل میں ما نافیہ ہے اور ملکین سے مراد جبریل و میکائیل ہیں کیونکہ یہود کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی دو فرشتوں کو نازل کیا تھا۔ اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی فرشتوں پر کچھ اتارا گیا لیکن شیاطین یعنی ہاروت و ماروت نے کفر کیا وہ لوگوں کو شہر بابل میں سحر سکھاتے تھے۔ اس قول کے مطابق ہاروت و ماروت کے شیاطین سے بدل ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ شیاطین کا بدل البعض ہوں گے۔ اس صورت میں ان کے ذکر کی تصریح یا تو ان کی سرکشی کی وجہ سے کی گئی یا اس وجہ سے کہ یہ تعلیم سحر میں دوسرے جنوں کے سردار تھے۔ یا یہ شیاطین کا بدل الکل ہوں گے اس صورت میں ان دونوں کے ذکر کی صراحت یا تو اس بناء پر ہے کہ جمع کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے یا اس بناء پر کہ ہاروت و ماروت سے شیاطین کے دو قبیلے مراد ہیں۔ ان دو قبیلوں کے علاوہ دوسرے شیاطین تعلیم سحر کا کام نہیں کرتے تھے اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر امام قرطبیؒ کا یہ قول ہے ''اس تاویل پر آیت کو محمول کرنا زیادہ مناسب ہے اور یہی اس آیت کے بارے میں صحیح ترین قول ہے دیگر اقوال کی طرف التفات نہ کرنی چاہیے۔'' کسی بھی انصاف پسند پر مخفی نہیں کہ کسی مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جو کہ بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ ترین مراتب میں ہے۔ ادنیٰ مراتب پر محمول کرنا مناسب نہیں۔ یہ تو کتاب اللہ کی شان کو مسخ کرنا اور اسے اس کے مقام و مرتبہ سے نیچے لانا ہے۔ (روح المعانی ۳۴۳ ج ۱)

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۰۴

# شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

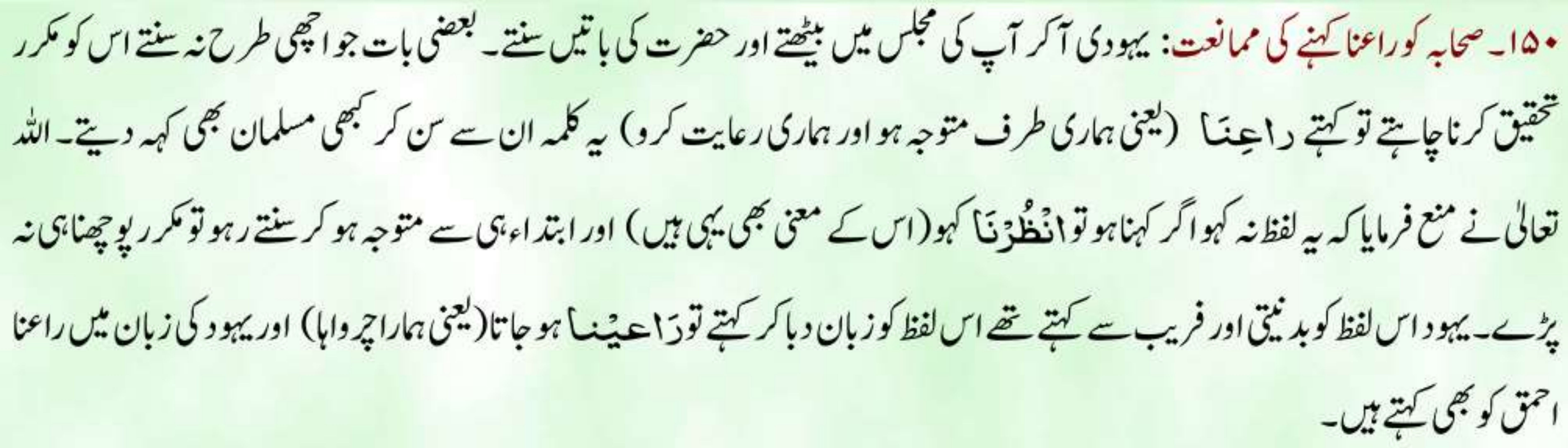

**۱۵۰۔ صحابہ کو راعنا کہنے کی ممانعت:** یہودی آکر آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے۔ بعضی بات جو اچھی طرح نہ سنتے اس کو مکرر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے رَاعِنَا (یعنی ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ ان سے سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انْظُرْنَا کہو (اس کے معنی بھی یہی ہیں) اور ابتداء ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود اس لفظ کو بدنیتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو رَاعِيْنَا ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۷۰) مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ سے کہتے تھے: رَاعِنَا۔ عربی میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "ہماری رعایت فرمائیے" اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔ لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی، اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بددُعا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ رَاعِینَا بن جاتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں: "ہمارے چرواہے!" غرض یہودیوں کی اصل نیت اس لفظ کو خراب معنیٰ

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

میں استعمال کرنے کی تھی، لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب ٹھیک تھا، اس لئے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا ان سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔ نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتا دی کہ در حقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا فرما دی ہے۔ رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کا لفظ سکھا دیا کیونکہ اس کے معنی ہیں ”ہم پر (شفقت کی) نظر فرمائیے“ اس میں کسی اور معنی کا اِحتمال نہیں۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

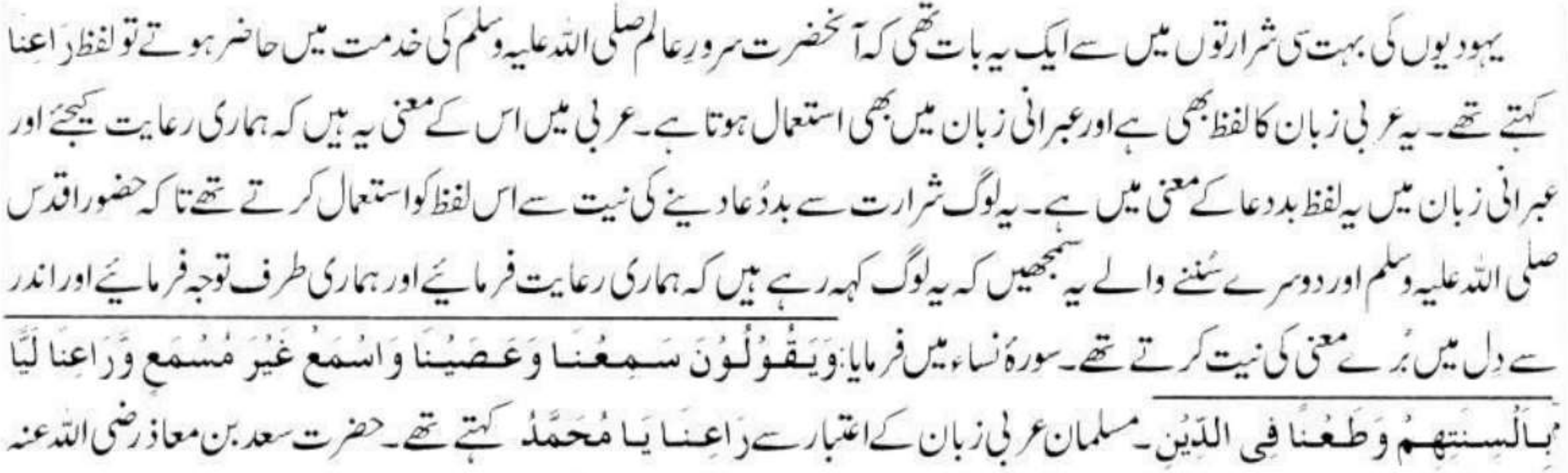

یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو لفظ رَاعِنا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بددعا کے معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت سے بددُعا دینے کی نیت سے اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سُننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ فرمایئے اور اندر سے دِل میں بُرے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورۂ نساء میں فرمایا: وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ۔ مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

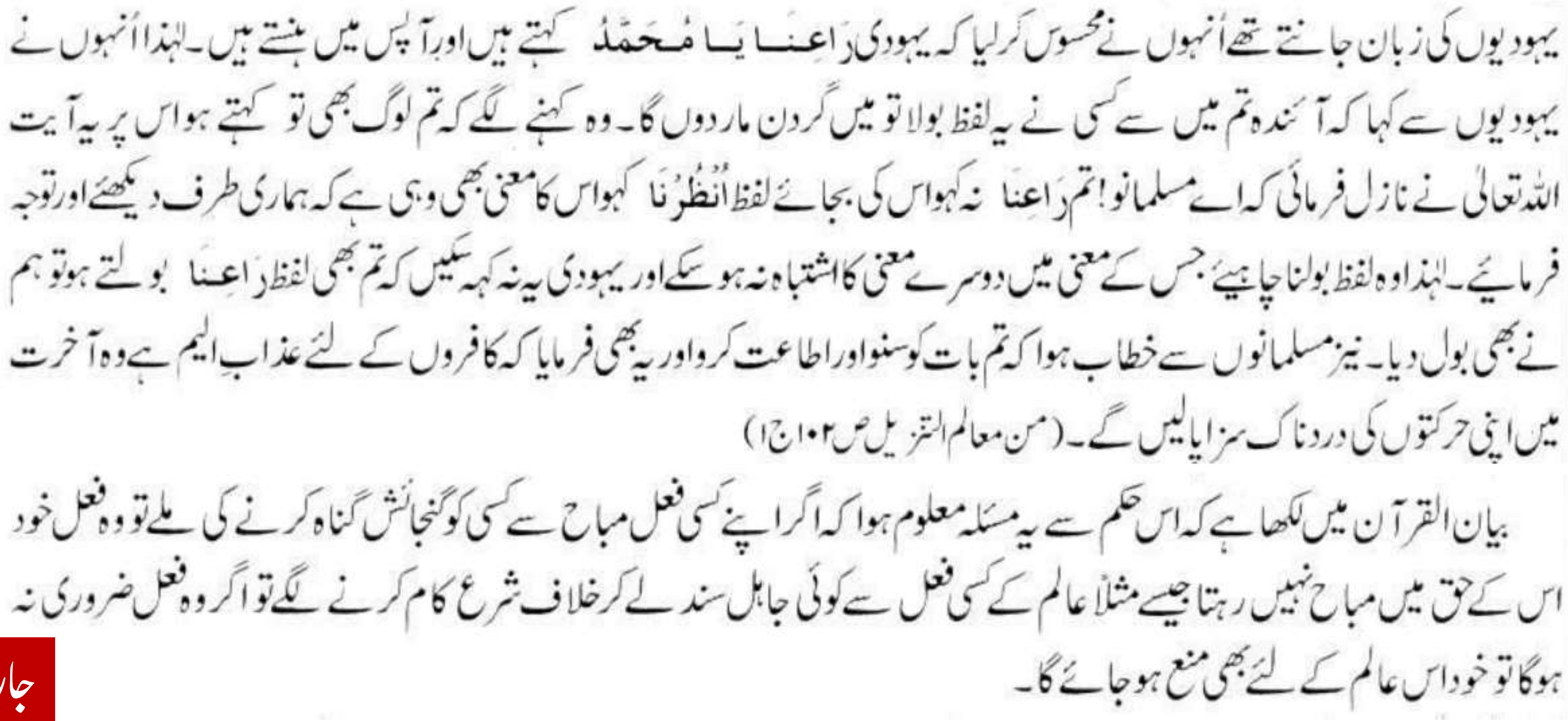

یہودیوں کی زبان جانتے تھے اُنہوں نے محسوس کرلیا کہ یہودی رَاعِنَا یَا مُحَمَّدُ کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں۔ لہٰذا اُنہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن ماردوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم رَاعِنَا نہ کہو اس کی بجائے لفظ اُنْظُرْنَا کہو اس کا معنی بھی وہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور توجہ فرمایئے۔ لہٰذا وہ لفظ بولنا چاہیئے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں کہ تم بھی لفظ رَاعِنَا بولتے ہو تو ہم نے بھی بول دیا۔ نیز مسلمانوں سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اطاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لئے عذابِ الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

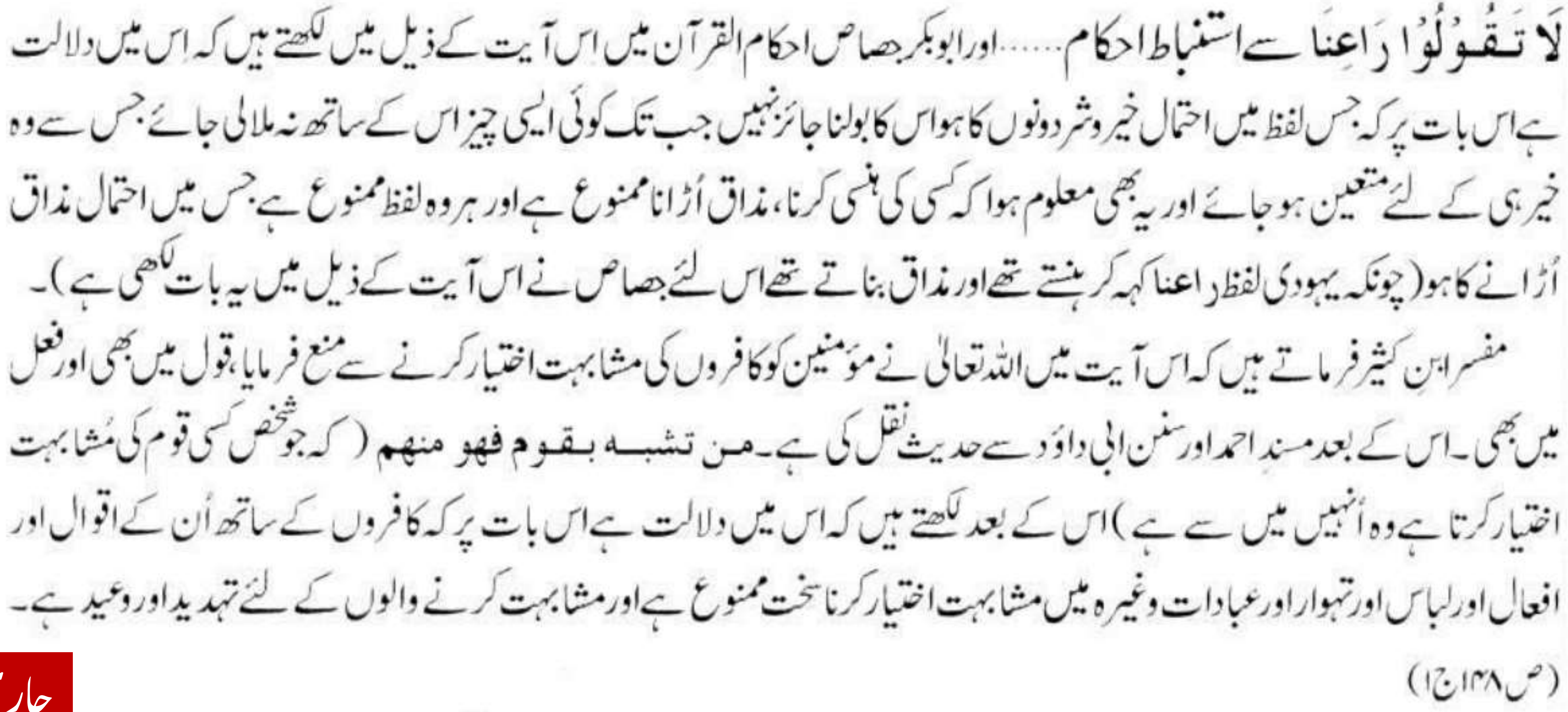

**لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا سے استنباط احکام**...... اور ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر وشر دونوں کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملا لی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لئے متعین ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا، مذاق اُڑانا ممنوع ہے اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اُڑانے کا ہو (چونکہ یہودی لفظ راعنا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لئے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔

مفسر ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا، قول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسندِ احمد اور سنن ابی داؤد سے حدیث نقل کی ہے۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم** (کہ جو شخص کسی قوم کی مُشابہت اختیار کرتا ہے وہ اُنہیں میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ اُن کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے اور مشابہت کرنے والوں کے لئے تہدید اور وعید ہے۔

(ص۱۴۸ج۱)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

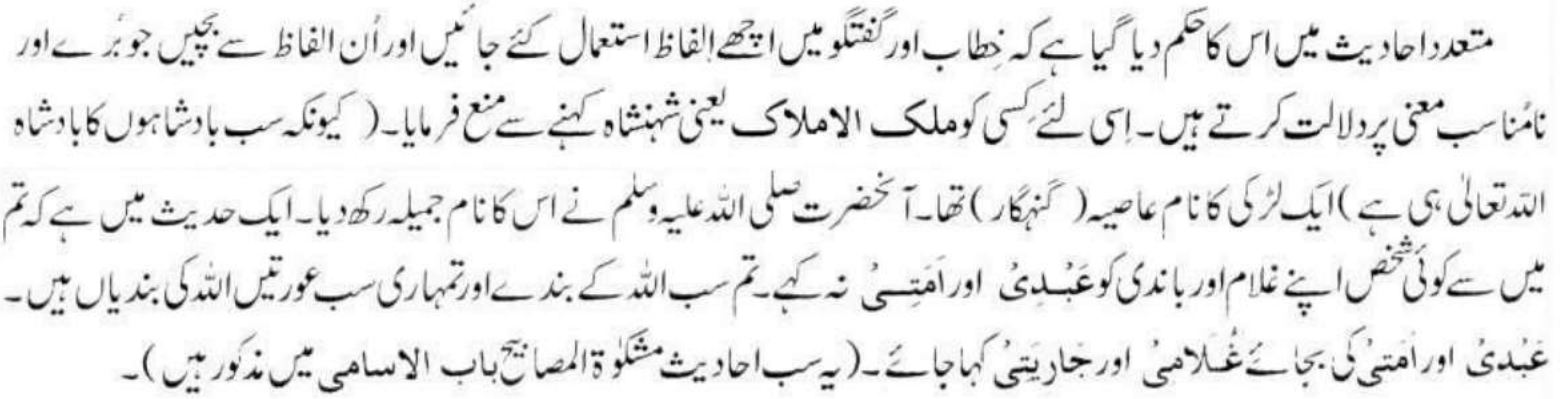

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خِطاب اور گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں اور اُن الفاظ سے بچیں جو بُرے اور نامُناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اِسی لئے کِسی کو ملک الاملاک یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عَبدِیْ اور اَمَتِیْ نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عَبدِیْ اور اَمتِیْ کی بجائے غُلامِیْ اور جارِیَتِیْ کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)۔

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

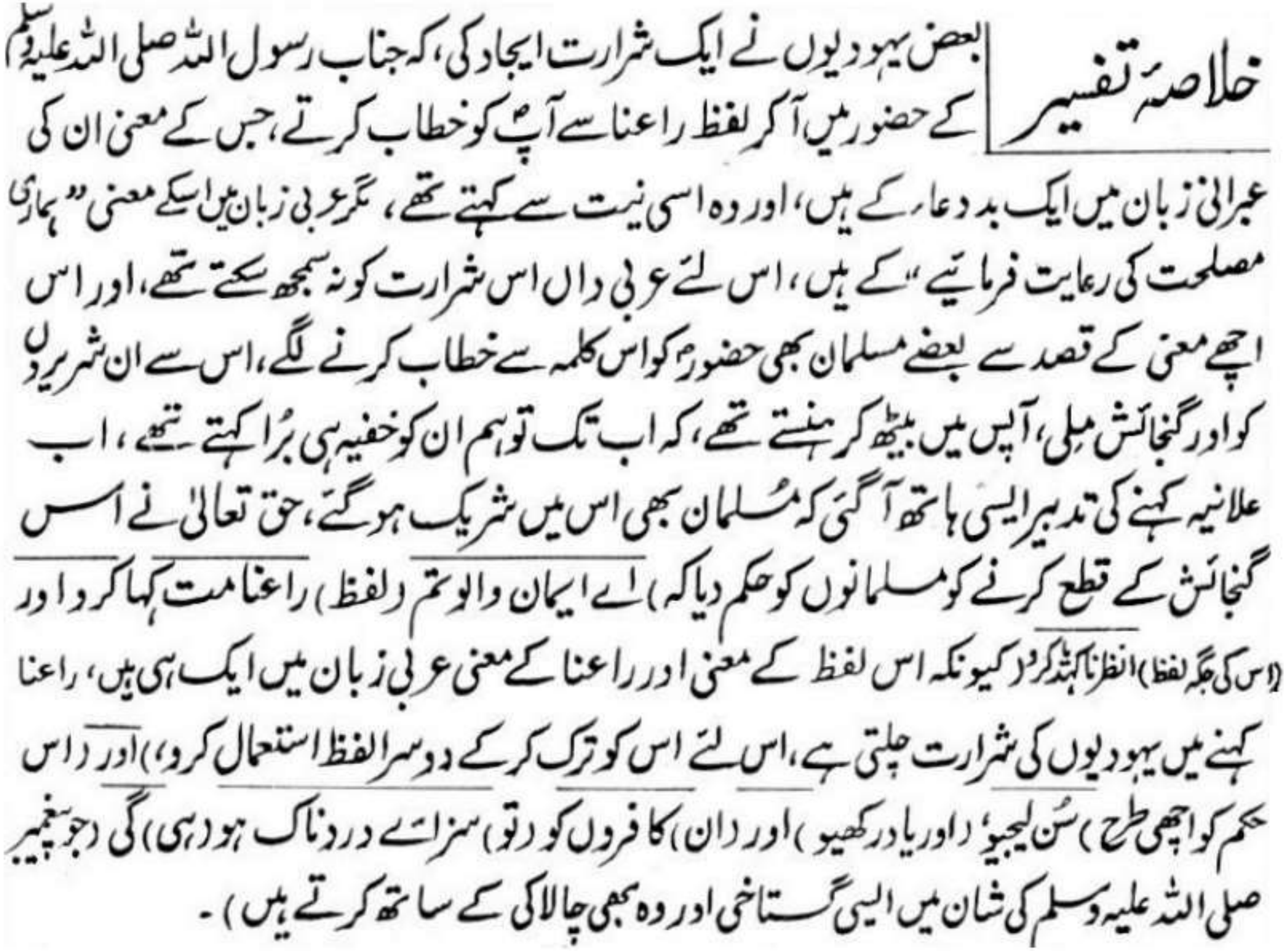

## خلاصۂ تفسیر

بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر لفظ راعنا سے آپؐ کو خطاب کرتے، جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں ایک بد دعا کے ہیں، اور وہ اسی نیت سے کہتے تھے، مگر عربی زبان میں اسکے معنی "ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے" کے ہیں، اس لئے عربی داں اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے، اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضورؐ کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی، آپس میں بیٹھ کر ہنستے تھے، کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی بُرا کہتے تھے، اب علانیہ کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آگئی کہ مُسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے، حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم دیا کہ) اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور (اس کی جگہ لفظ) انظرنا کہدیا کرو (کیونکہ اس لفظ کے معنی اور راعنا کے معنی عربی زبان میں ایک ہی ہیں، راعنا کہنے میں یہودیوں کی شرارت چلتی ہے، اس لئے اس کو ترک کرکے دوسرا لفظ استعمال کرو،) اور (اس حکم کو اچھی طرح) سُن لیجیو (اور یاد رکھیو) اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی (جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں)۔

جاری ہے

## مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

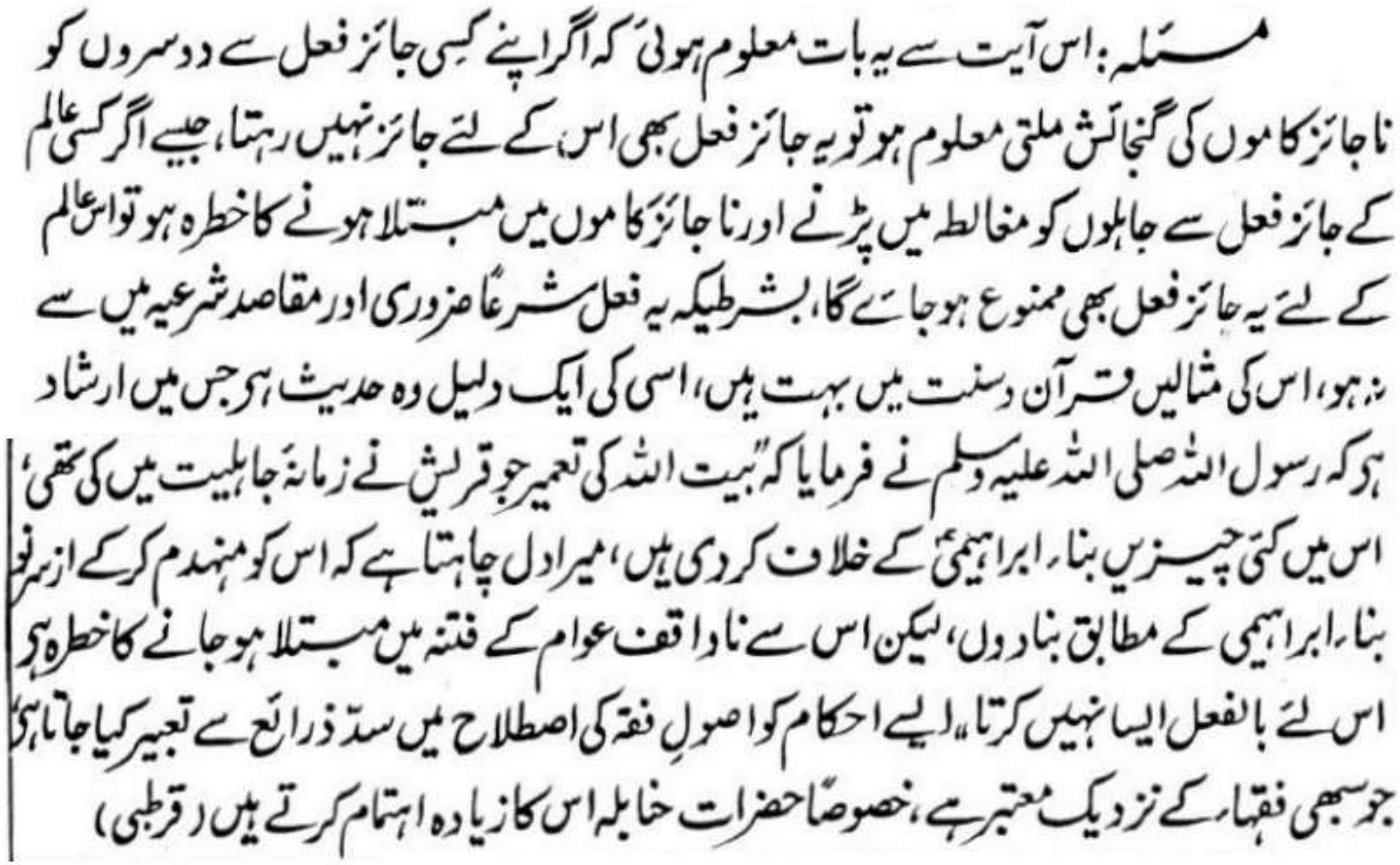

**مسئلہ:** اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا، جیسے اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا، بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو، اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں، اسی کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیت اللہ کی تعمیر جو قریش نے زمانہ جاہلیت میں کی تھی، اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمیؑ کے خلاف کر دی ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو منہدم کر کے از سر نو بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے بالفعل ایسا نہیں کرتا"۔ ایسے احکام کو اصولِ فقہ کی اصطلاح میں سدِّ ذرائع سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سبھی فقہاء کے نزدیک معتبر ہے، خصوصاً حضرات حنابلہ اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں (قرطبی)

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

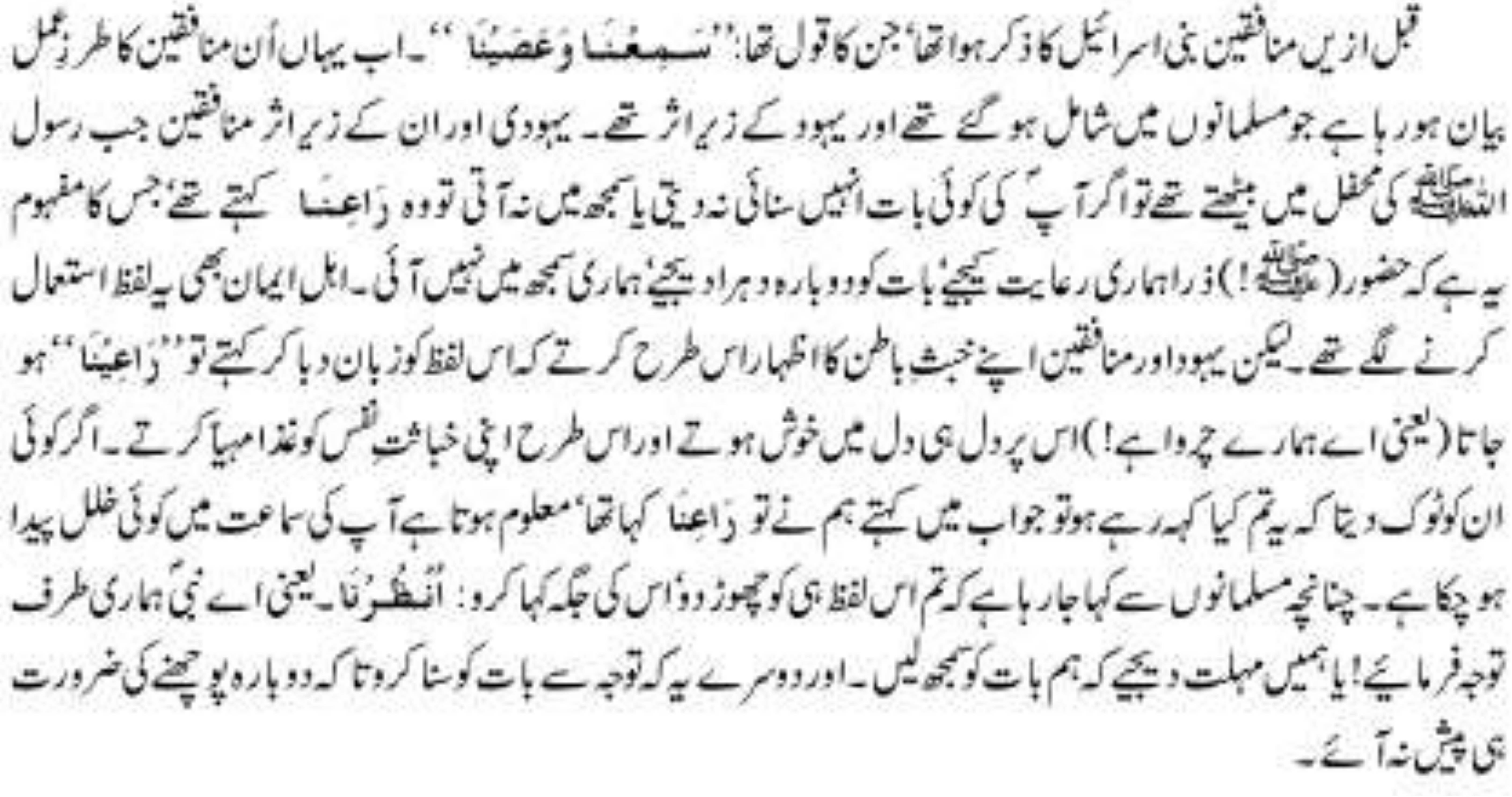

قبل ازیں منافقین بنی اسرائیل کا ذکر ہوا تھا، جن کا قول تھا: ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا''۔ اب یہاں اُن منافقین کا طرزِ عمل بیان ہو رہا ہے جو مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے اور یہود کے زیر اثر تھے۔ یہودی اور ان کے زیر اثر منافقین جب رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھتے تھے تو اگر آپؐ کی کوئی بات انہیں سنائی نہ دیتی یا سمجھ میں نہ آتی تو وہ رَاعِنَا کہتے تھے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور (ﷺ!) ذرا ہماری رعایت کیجیے، بات کو دوبارہ دہرا دیجیے، ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اہل ایمان بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن یہود اور منافقین اپنے خبثِ باطن کا اظہار اس طرح کرتے کہ اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو ''رَاعِيْنَا'' ہو جاتا (یعنی اے ہمارے چرواہے!) اس پر دل ہی دل میں خوش ہوتے اور اس طرح اپنی خباثتِ نفس کو غذا مہیا کرتے۔ اگر کوئی ان کو ٹوک دیتا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو تو جواب میں کہتے ہم نے تو رَاعِنَا کہا تھا، معلوم ہوتا ہے آپ کی سماعت میں کوئی خلل پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اس لفظ ہی کو چھوڑ دو، اس کی جگہ کہا کرو: اُنْظُرْنَا۔ یعنی اے نبیؐ ہماری طرف توجہ فرمائیے! یا ہمیں مہلت دیجیے کہ ہم بات کو سمجھ لیں۔ اور دوسرے یہ کہ توجہ سے بات کو سنا کرو تا کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۱۰۵

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

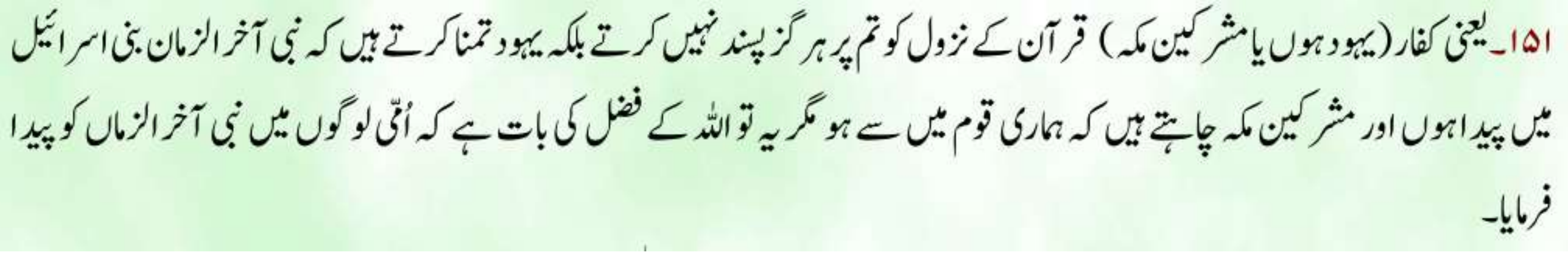

۱۵۱۔ یعنی کفار (یہود ہوں یا مشرکین مکہ) قرآن کے نزول کو تم پر ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ یہود تمنا کرتے ہیں کہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل میں پیدا ہوں اور مشرکین مکہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ہو مگر یہ تو اللہ کے فضل کی بات ہے کہ اُمّی لوگوں میں نبی آخرالزماں کو پیدا فرمایا۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

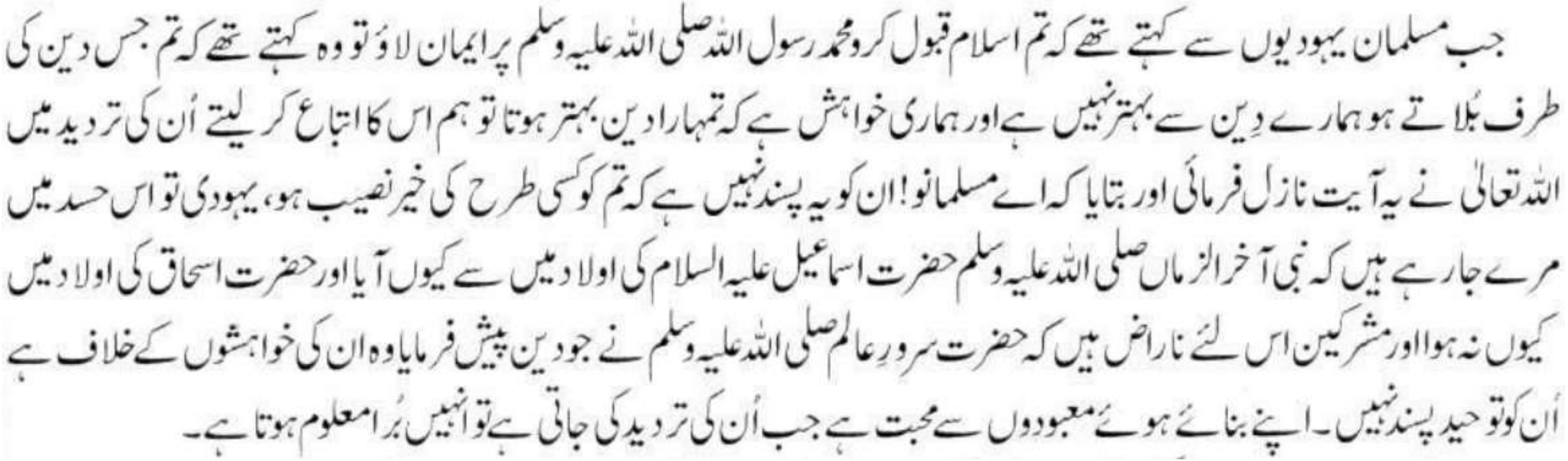

جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف بُلاتے ہو ہمارے دِین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے اُن کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو، یہودی تو اس حسد میں مرے جارہے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاق کی اولاد میں کیوں نہ ہوا اور مشرکین اس لئے ناراض ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے اُن کو توحید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے جب اُن کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں بُرا معلوم ہوتا ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

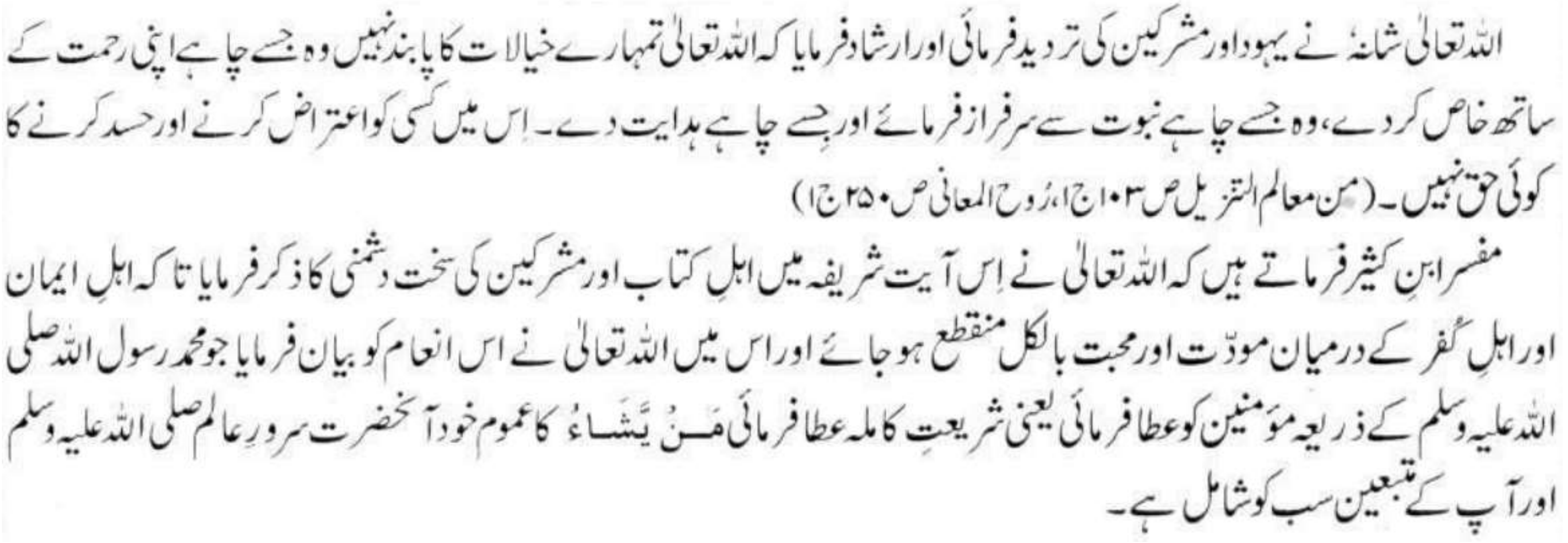

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۳ ج ۱، روح المعانی ص ۲۵۰ ج ۱)

مفسر ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت شریفہ میں اہلِ کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا تا کہ اہلِ ایمان اور اہلِ کُفر کے درمیان مودّت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مؤمنین کو عطا فرمائی یعنی شریعتِ کاملہ عطا فرمائی مَنْ یَّشَاءُ کا عموم خود آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین سب کو شامل ہے۔

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

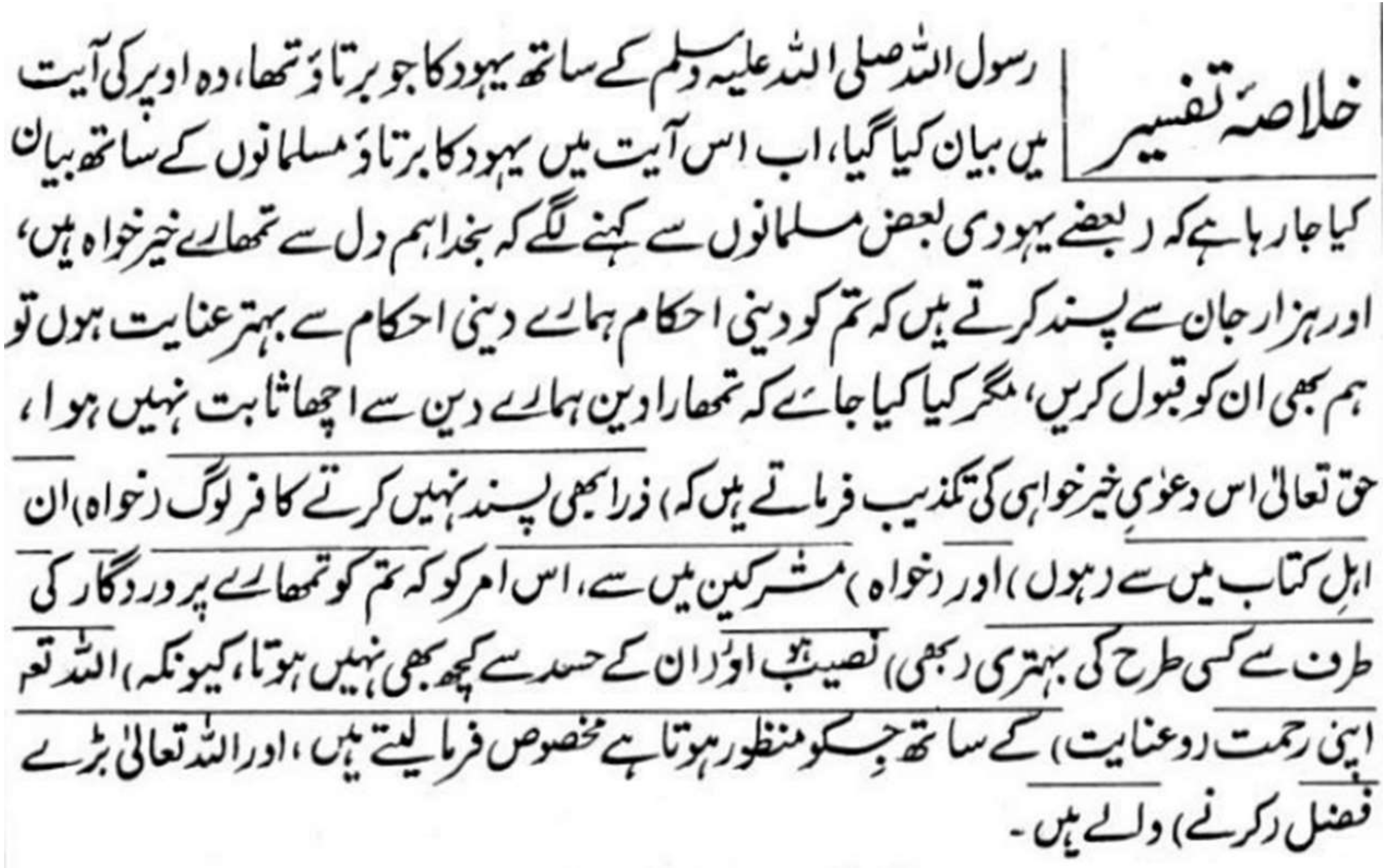

## خلاصۂ تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود کا جو برتاؤ تھا، وہ اوپر کی آیت میں بیان کیا گیا، اب اس آیت میں یہود کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ (بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں، اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں، مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا، حق تعالیٰ اس دعوٰیِ خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ) ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہلِ کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے، اس امر کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو اور ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا، کیونکہ) اللہ تع اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جسکو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔

جاری ہے

# مفتی شفیع عثمانیؒ ( معارف القرآن میں ) فرماتے ہیں کہ :

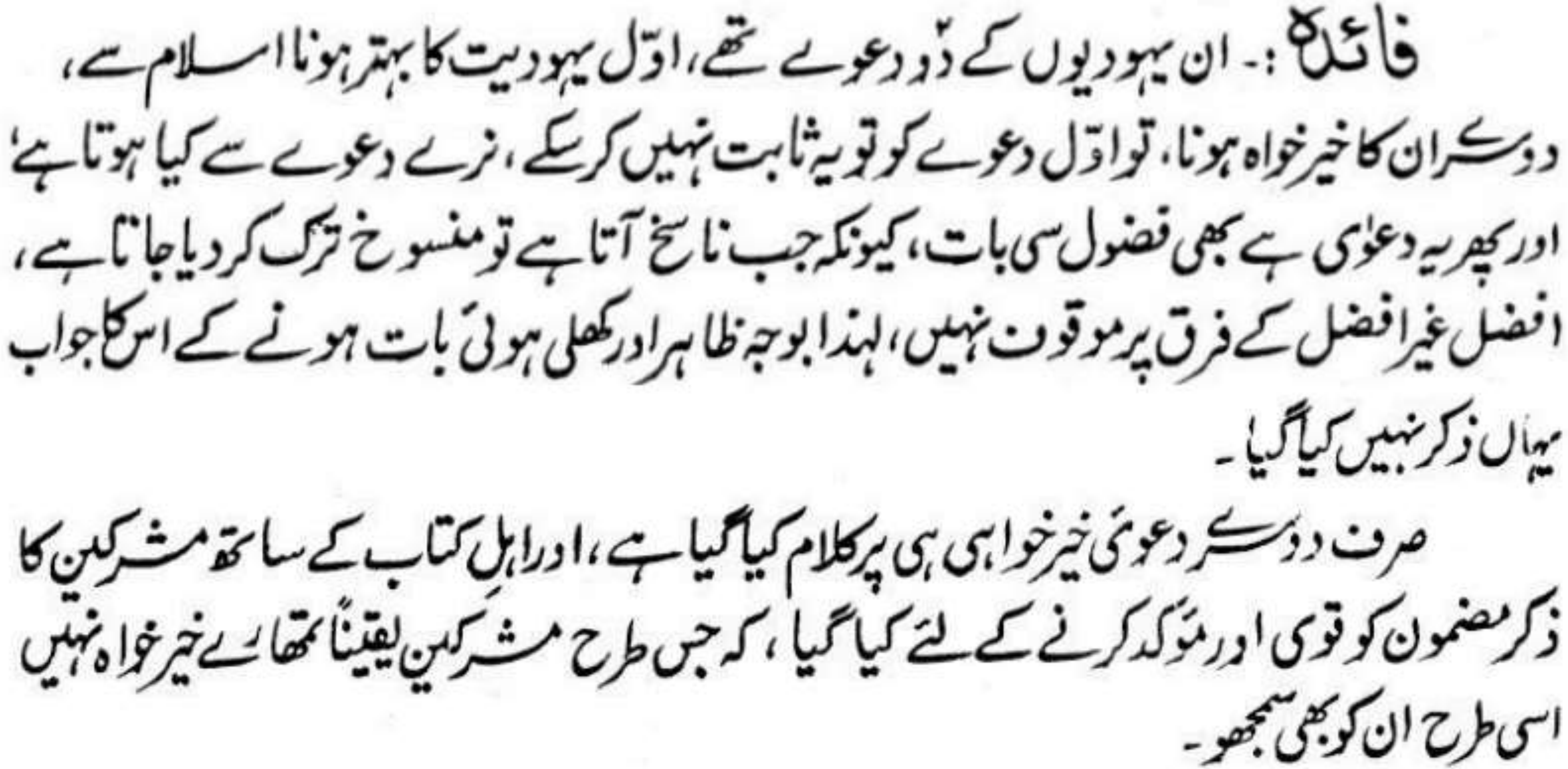

**فائدہ** :- ان یہودیوں کے دو دعوے تھے، اوّل یہودیت کا بہتر ہونا اسلام سے، دوسرے ان کا خیر خواہ ہونا، تو اوّل دعوے کو تو یہ ثابت نہیں کر سکے، نرے دعوے سے کیا ہوتا ہے، اور پھر یہ دعویٰ ہے بھی فضول سی بات، کیونکہ جب ناسخ آتا ہے تو منسوخ ترک کر دیا جاتا ہے، افضل غیر افضل کے فرق پر موقوف نہیں، لہذا بوجہ ظاہر اور کھلی ہوئی بات ہونے کے اس کا جواب یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

صرف دوسرے دعوئ خیر خواہی ہی پر کلام کیا گیا ہے، اور اہلِ کتاب کے ساتھ مشرکین کا ذکر مضمون کو قوی اور مؤکد کرنے کے لئے کیا گیا، کہ جس طرح مشرکین یقیناً تمھارے خیر خواہ نہیں اسی طرح ان کو بھی سمجھو۔

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

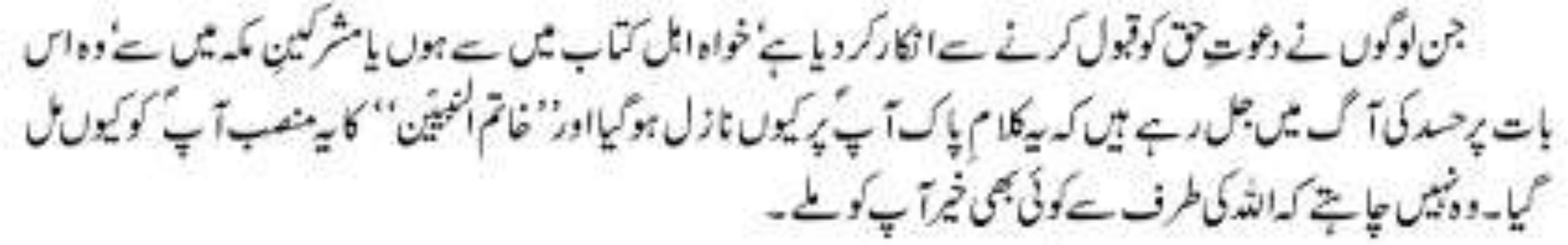

جن لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکینِ مکہ میں سے، وہ اس
بات پر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں کہ یہ کلامِ پاک آپؐ پر کیوں نازل ہو گیا اور ''خاتم النبیین'' کا یہ منصب آپؐ کو کیوں مل
گیا۔ وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی بھی خیر آپ کو ملے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

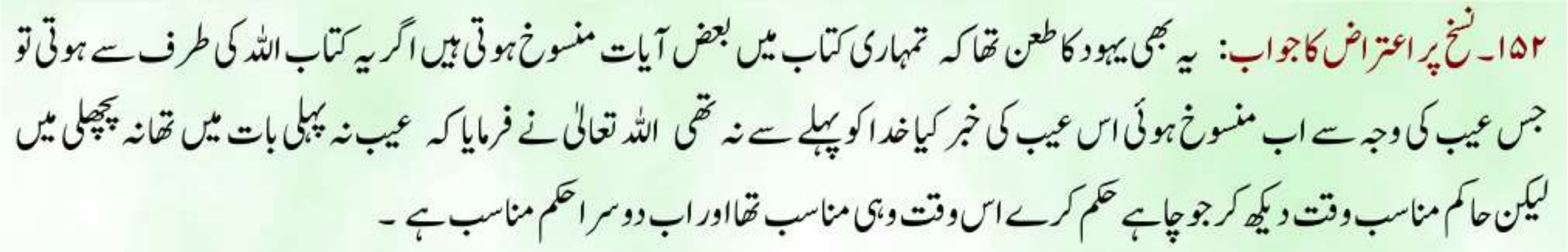

**۱۵۲۔ نسخ پر اعتراض کا جواب:** یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے ۔

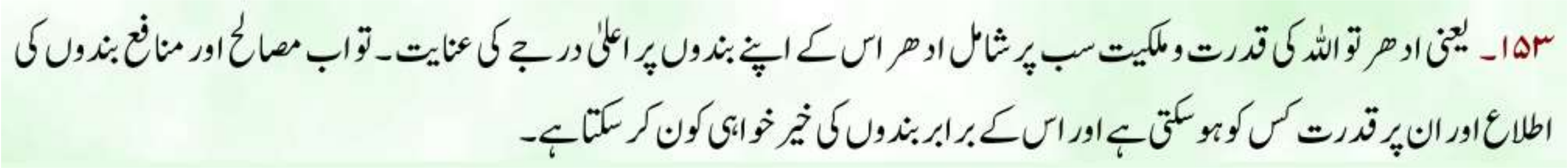

**۱۵۳۔** یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت و ملکیت سب پر شامل ادھر اس کے اپنے بندوں پر اعلیٰ درجے کی عنایت۔ تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور ان پر قدرت کس کو ہو سکتی ہے اور اس کے برابر بندوں کی خیر خواہی کون کر سکتا ہے۔

# مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۱۷) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی اَحکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دِین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں، لیکن جو عملی اَحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کردیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوّت عطا ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَحکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آگیا، جیسا کہ قبلے کے تعین میں اَحکام بدلے گئے جن کی کچھ تفصیل آگے آیت ۱۱۵ میں آرہی ہے۔ فروعی اَحکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

یہودیوں نے بالخصوص اور دوسرے کافروں نے بالعموم اس پر یہ اعتراض اُٹھایا کہ اگر یہ سارے اَحکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہورہی ہیں؟ یہ آیتِ کریمہ اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بدلتے ہوئے حالات میں یہ تبدیلیاں کرتے ہیں، اور جو حکم بھی منسوخ کیا جاتا ہے اس کی جگہ ایسا حکم لایا جاتا ہے جو بدلے ہوئے حالات میں زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے، یا کم از کم اتنا ہی بہتر ہوتا ہے جتنا بہتر پہلا حکم تھا۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

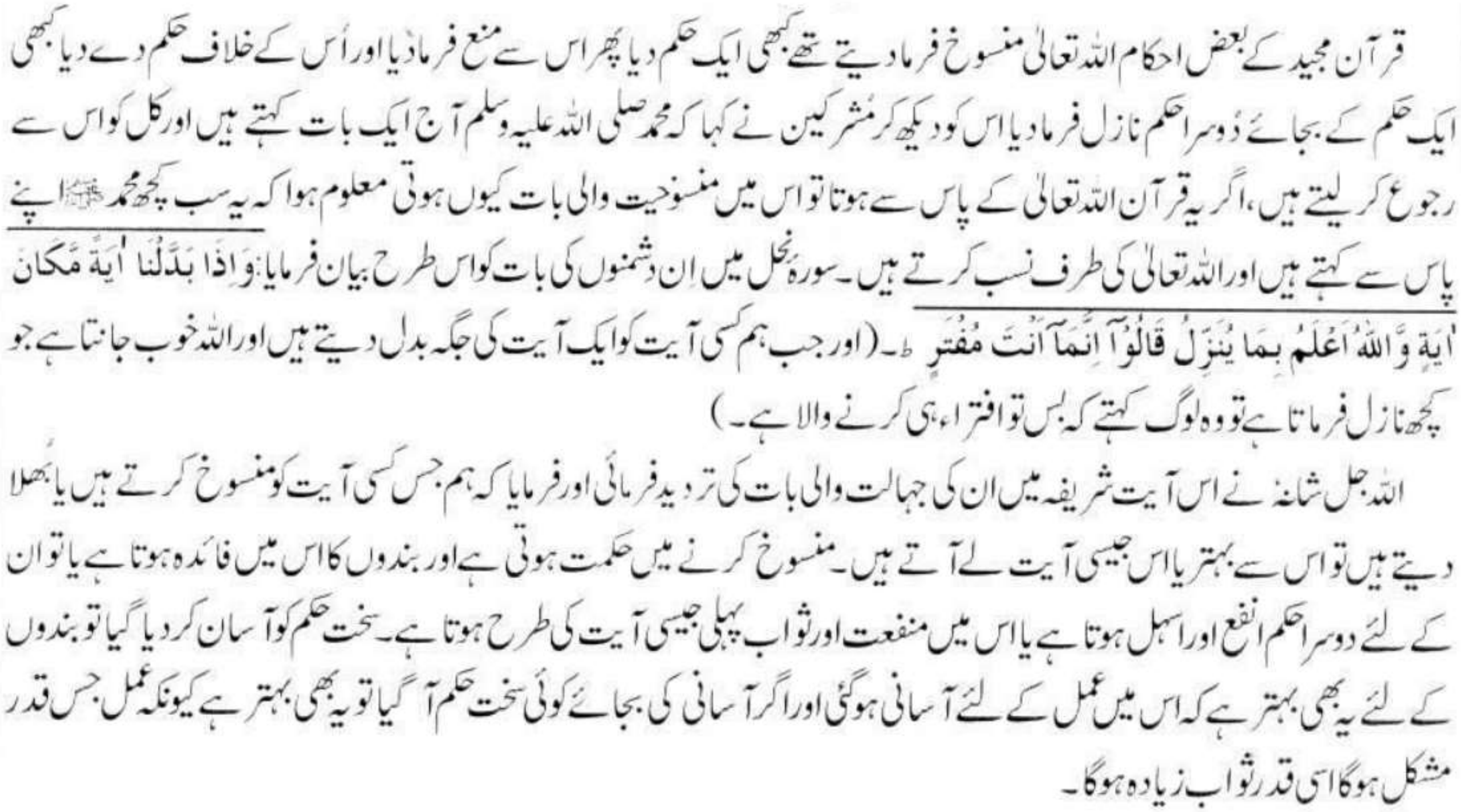

قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دیتے تھے کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرما دیا اور اُس کے خلاف حکم دے دیا کبھی ایک حکم کے بجائے دُوسرا حکم نازل فرما دیا اس کو دیکھ کر مُشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محمد ﷺ اپنے پاس سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسب کرتے ہیں۔ سورۂ نحل میں اِن دشمنوں کی بات کو اس طرح بیان فرمایا: وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ط۔ (اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ بس تو افتراء ہی کرنے والا ہے۔)

اللہ جل شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بُھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے یا تو ان کے لئے دوسرا حکم انفع اور اسہل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں عمل کے لئے آسانی ہو گئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آ گیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ عمل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ ( تفسیر انوار البیان میں ) فرماتے ہیں کہ:

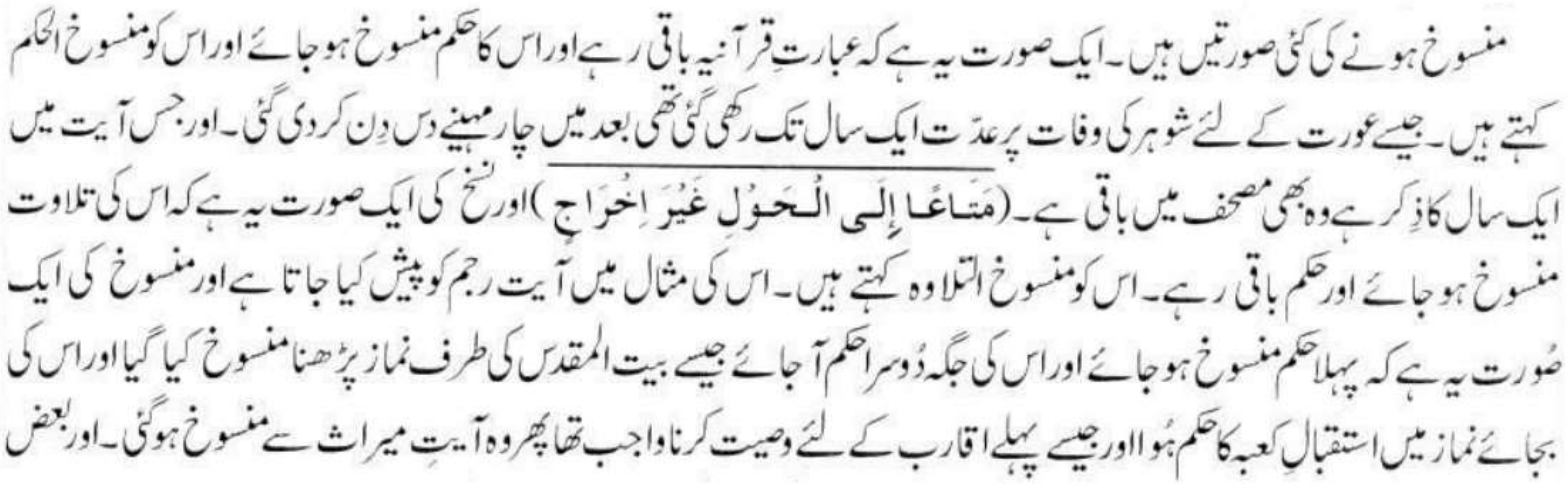

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارتِ قرآنیہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لئے شوہر کی وفات پر عدّت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دِن کر دی گئی۔ اور جس آیت میں ایک سال کا ذِکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ (مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ) اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوہ کہتے ہیں۔ اس کی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صُورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دُوسرا حکم آ جائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبالِ کعبہ کا حکم ہُوا اور جیسے پہلے اقارب کے لئے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیتِ میراث سے منسوخ ہو گئی۔ اور بعض

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

سورتیں ایسی ہیں جن میں امرِ اوّل منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ دُوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورۃ ممتحنہ میں اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ منسوخ کر دیا گیا اور اس کی بجائے دُوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نَنْسَخْ کے ساتھ نُنْسِهَا بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں جن کو بالکل ہی مصاحف سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ جیسی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اُٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا۔ درمنثور ص ۱۰۵ ج ۱ میں ہے کہ حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک رات کو ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک سورت یاد تھی انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے علاوہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اُس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہو گئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اُس جگہ سے محو کر دی گئی جہاں جہاں لکھی ہوئی تھی۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

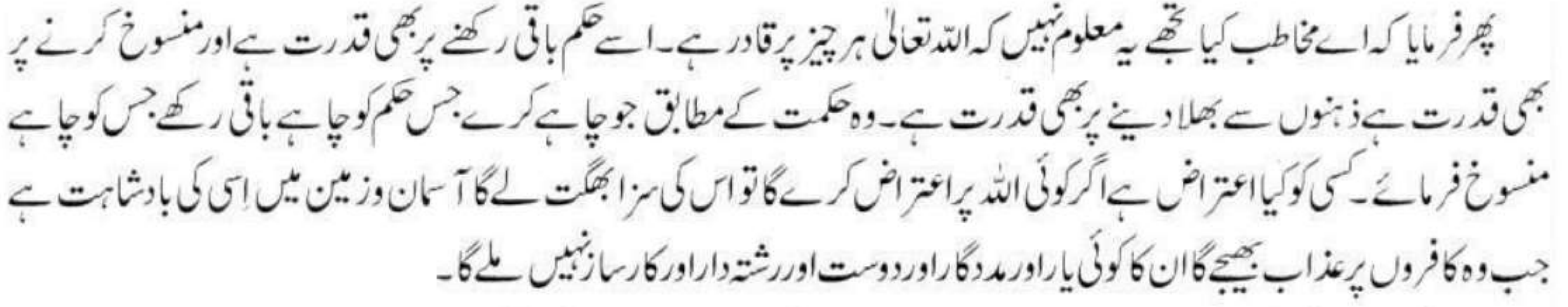

پھر فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے اور منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھلا دینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے. جس حکم کو چاہے باقی رکھے. جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اس کی سزا بھگت لے گا آسمان وزمین میں اسی کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا ان کا کوئی یار اور مددگار اور دوست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

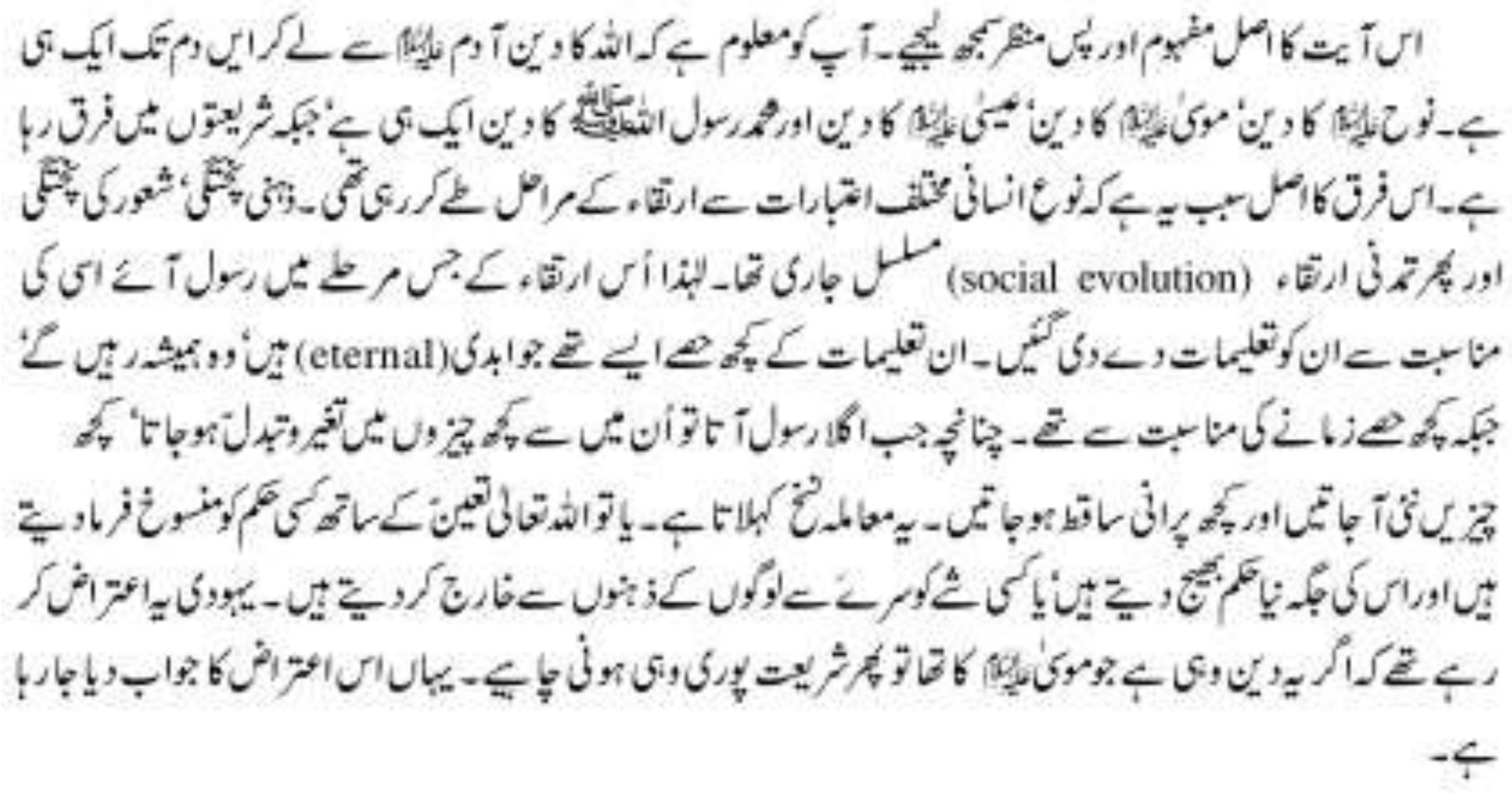

اس آیت کا اصل مفہوم اور پس منظر سمجھ لیجیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کا دین آدم علیہ السلام سے لے کر ایں دم تک ایک ہی ہے۔ نوح علیہ السلام کا دین، موسیٰ علیہ السلام کا دین، عیسیٰ علیہ السلام کا دین اور محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ایک ہی ہے، جبکہ شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ اس فرق کا اصل سبب یہ ہے کہ نوعِ انسانی مختلف اعتبارات سے ارتقاء کے مراحل طے کر رہی تھی۔ ذہنی پختگی، شعور کی پختگی اور پھر تمدنی ارتقاء (social evolution) مسلسل جاری تھا۔ لہٰذا اُس ارتقاء کے جس مرحلے میں رسول آئے اسی کی مناسبت سے ان کو تعلیمات دے دی گئیں۔ ان تعلیمات کے کچھ حصے ایسے تھے جو ابدی (eternal) ہیں، وہ ہمیشہ رہیں گے، جبکہ کچھ حصے زمانے کی مناسبت سے تھے۔ چنانچہ جب اگلا رسول آتا تو اُن میں سے کچھ چیزوں میں تغیر و تبدل ہو جاتا، کچھ چیزیں نئی آ جاتیں اور کچھ پرانی ساقط ہو جاتیں۔ یہ معاملہ نسخ کہلاتا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ تعیّن کے ساتھ کسی حکم کو منسوخ فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ نیا حکم بھیج دیتے ہیں، یا کسی شے کو سرے سے لوگوں کے ذہنوں سے خارج کر دیتے ہیں۔ یہودی یہ اعتراض کر رہے تھے کہ اگر یہ دین وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا تو پھر شریعت پوری وہی ہونی چاہیے۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔

جاری ہے

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

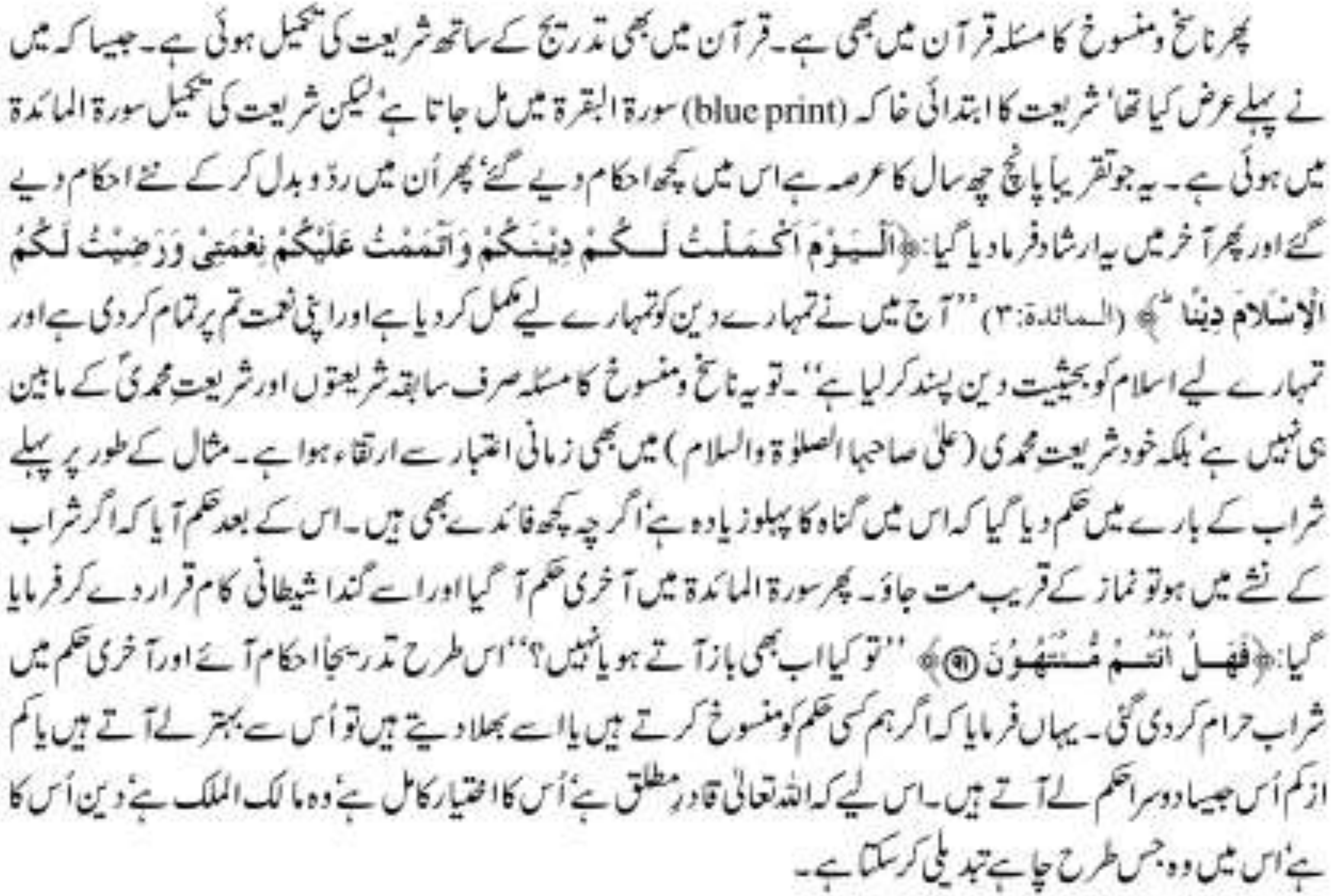

پھر ناسخ و منسوخ کا مسئلہ قرآن میں بھی ہے۔ قرآن میں بھی تدریج کے ساتھ شریعت کی تکمیل ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا' شریعت کا ابتدائی خاکہ (blue print) سورۃ البقرۃ میں مل جاتا ہے' لیکن شریعت کی تکمیل سورۃ المائدۃ میں ہوئی ہے۔ یہ جو تقریباً پانچ چھ سال کا عرصہ ہے اس میں کچھ احکام دیے گئے' پھر اُن میں ردّ و بدل کر کے نئے احکام دیے گئے اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرما دیا گیا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا ہے''۔ تو یہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ صرف سابقہ شریعتوں اور شریعتِ محمدیؐ کے مابین ہی نہیں ہے' بلکہ خود شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی زمانی اعتبار سے ارتقاء ہوا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے شراب کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے' اگرچہ کچھ فائدے بھی ہیں۔ اس کے بعد حکم آیا کہ اگر شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ پھر سورۃ المائدۃ میں آخری حکم آ گیا اور اسے گندا شیطانی کام قرار دے کر فرمایا گیا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ ''تو کیا اب بھی باز آتے ہو یا نہیں؟'' اس طرح تدریجاً احکام آئے اور آخری حکم میں شراب حرام کر دی گئی۔ یہاں فرمایا کہ اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر لے آتے ہیں یا کم از کم اُس جیسا دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' اُس کا اختیار کامل ہے' وہ مالک الملک ہے' دین اُس کا ہے' اس میں وہ جس طرح چاہے تبدیلی کر سکتا ہے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَـكُمۡ كَمَا سُٮِٕلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ

وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

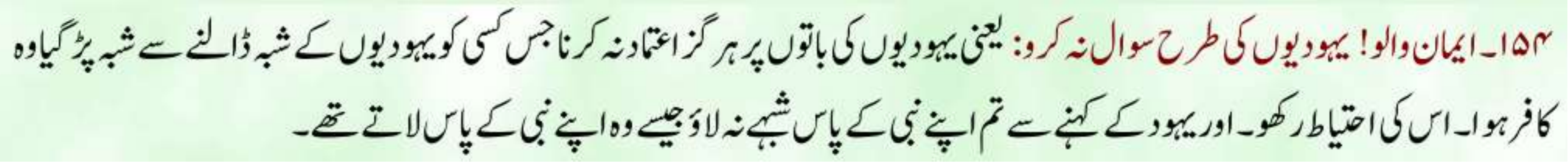

۱۵۴۔ **ایمان والو! یہودیوں کی طرح سوال نہ کرو:** یعنی یہودیوں کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا جس کسی کو یہودیوں کے شبہ ڈالنے سے شبہ پڑ گیا وہ کافر ہوا۔ اس کی احتیاط رکھو۔ اور یہود کے کہنے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔

# مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۷۲) یہ خطاب یہودیوں کو بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کے بجائے طرح طرح کے مطالبے پیش کرتے تھے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ سبق دیا جارہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اِیمان لانے کے باوجود یہودی ان سے نامعقول اور غیر ضروری سوالات اور مطالبے کرتے رہے ہیں، تم ایسا نہ کرنا۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

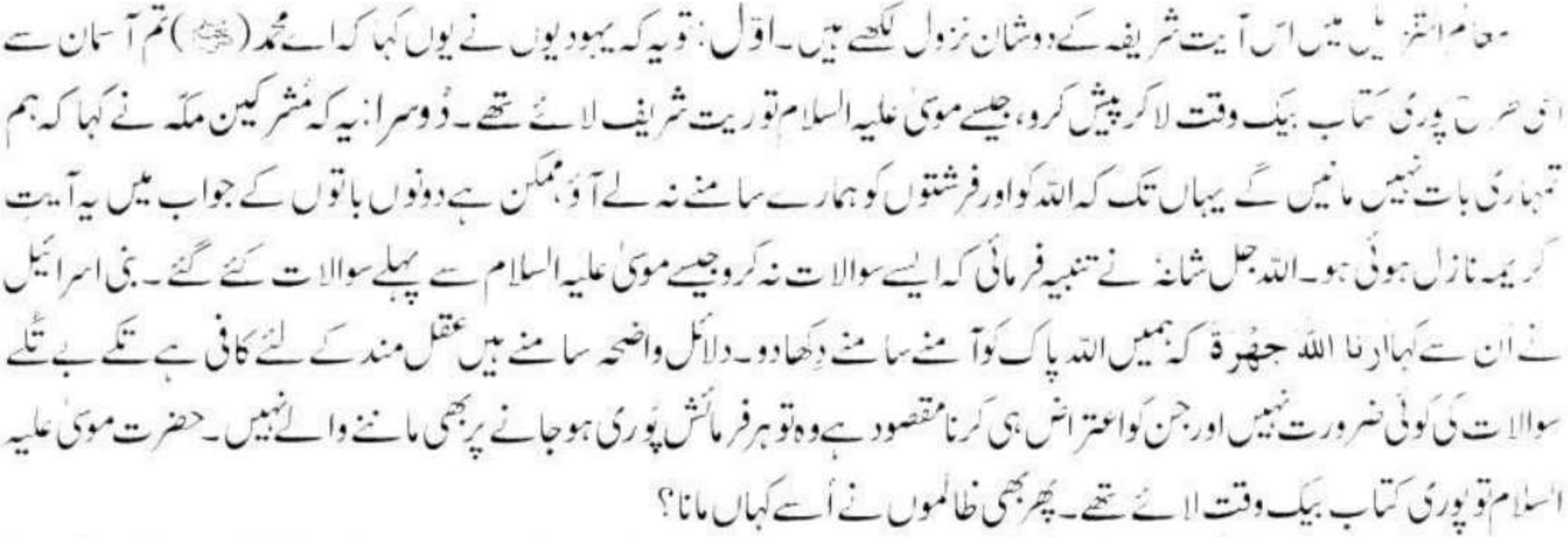

معالم التنزیل میں اس آیت شریفہ کے دو شان نزول لکھے ہیں۔ اوّل: تو یہ کہ یہودیوں نے یوں کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم آسمان سے اس طرح پوری کتاب بیک وقت لا کر پیش کرو، جیسے موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لائے تھے۔ دُوسرا: یہ کہ مُشرکین مکّہ نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ، ممکن ہے دونوں باتوں کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔ اللہ جل شانہٗ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے سوالات نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سوالات کیے گئے۔ بنی اسرائیل نے ان سے کہا ارنا اللہ جھرۃ کہ ہمیں اللہ پاک کو آمنے سامنے دِکھا دو۔ دلائل واضحہ سامنے ہیں عقل مند کے لئے کافی ہے تکے بے تکے سوالات کی کوئی ضرورت نہیں اور جن کو اعتراض ہی کرنا مقصود ہے وہ تو ہر فرمائش پوری ہو جانے پر بھی ماننے والے نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پوری کتاب بیک وقت لائے تھے۔ پھر بھی ظالموں نے اُسے کہاں مانا؟

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

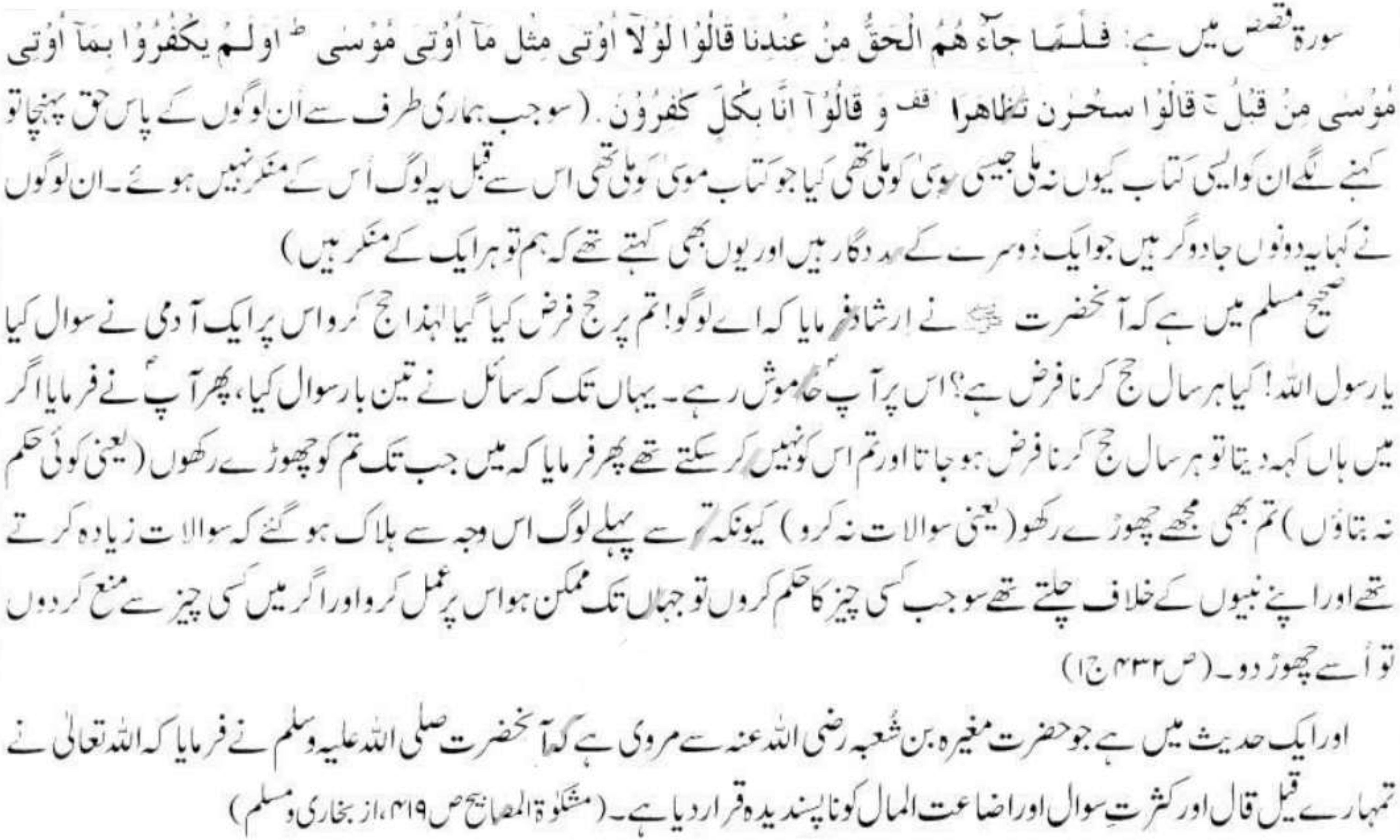

سورۃ قصص میں ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ط اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ج قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا قف وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ. (سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس حق پہنچا تو کہنے لگے ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور یوں بھی کہتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں)

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا حج کرو اس پر ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ اس پر آپؐ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ سائل نے تین بار سوال کیا، پھر آپؐ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کو نہیں کر سکتے تھے پھر فرمایا کہ میں جب تک تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کوئی حکم نہ بتاؤں) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ سوالات زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے خلاف چلتے تھے سو جب کسی چیز کا حکم کروں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور اگر میں کسی چیز سے منع کر دوں تو اُسے چھوڑ دو۔ (ص ۴۳۲ ج ۱)

اور ایک حدیث میں ہے جو حضرت مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیل قال اور کثرتِ سوال اور اضاعت المال کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹، از بخاری و مسلم)

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

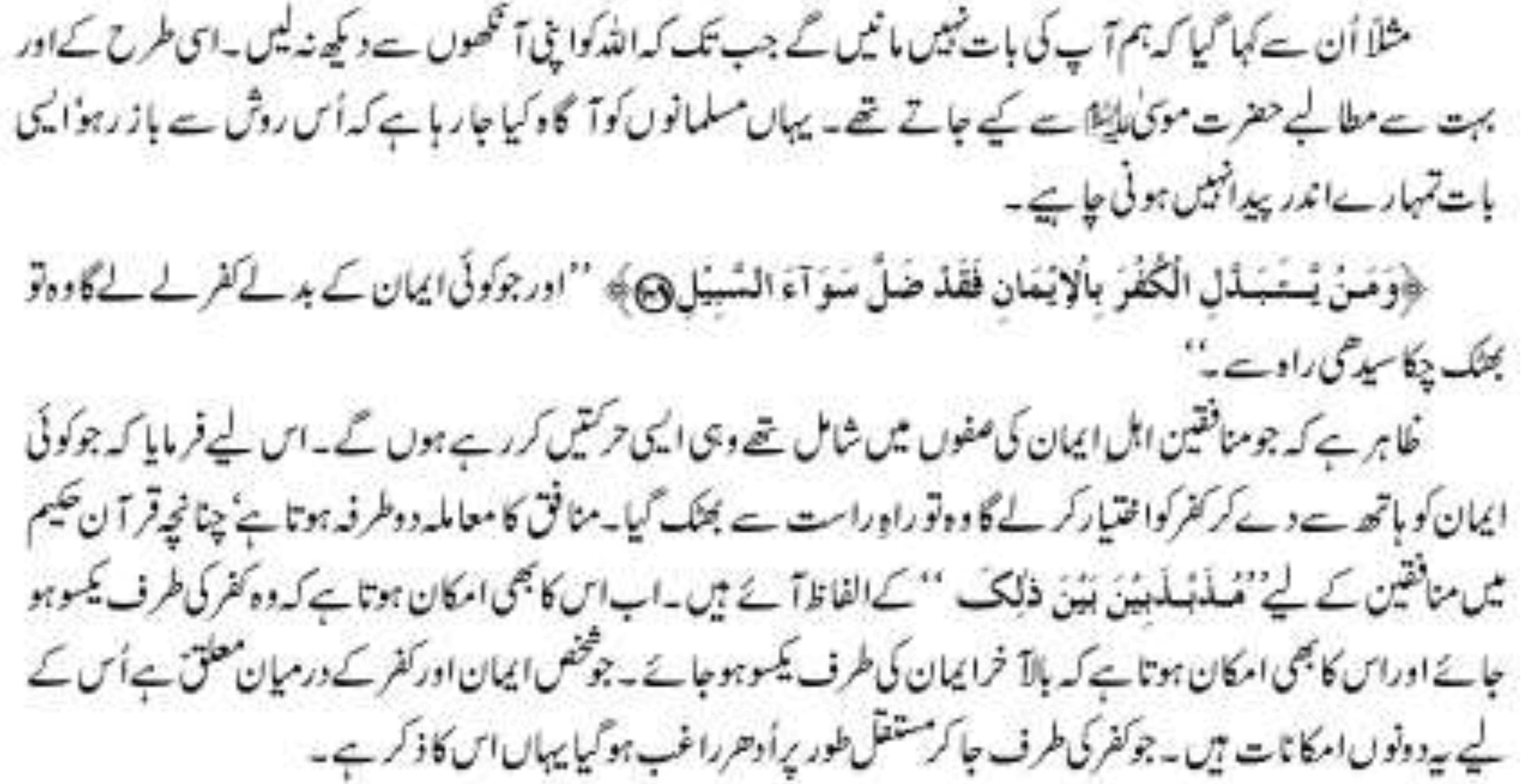

مثلاً اُن سے کہا گیا کہ ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے مطالبے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے جاتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اُس روش سے باز رہو' ایسی بات تمہارے اندر پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (۱۰۸)﴾ ''اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے لے گا وہ تو بھٹک چکا سیدھی راہ سے۔''

ظاہر ہے کہ جو منافقین اہل ایمان کی صفوں میں شامل تھے وہی ایسی حرکتیں کر رہے ہوں گے۔ اس لیے فرمایا کہ جو کوئی ایمان کو ہاتھ سے دے کر کفر کو اختیار کر لے گا وہ تو راہِ راست سے بھٹک گیا۔ منافق کا معاملہ دو طرفہ ہوتا ہے' چنانچہ قرآن حکیم میں منافقین کے لیے ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ '' کے الفاظ آئے ہیں۔ اب اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ کفر کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ بالآخر ایمان کی طرف یکسو ہو جائے۔ جو شخص ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہے اُس کے لیے یہ دونوں امکانات ہیں۔ جو کفر کی طرف جا کر مستقل طور پر اُدھر راغب ہو گیا یہاں اس کا ذکر ہے۔

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

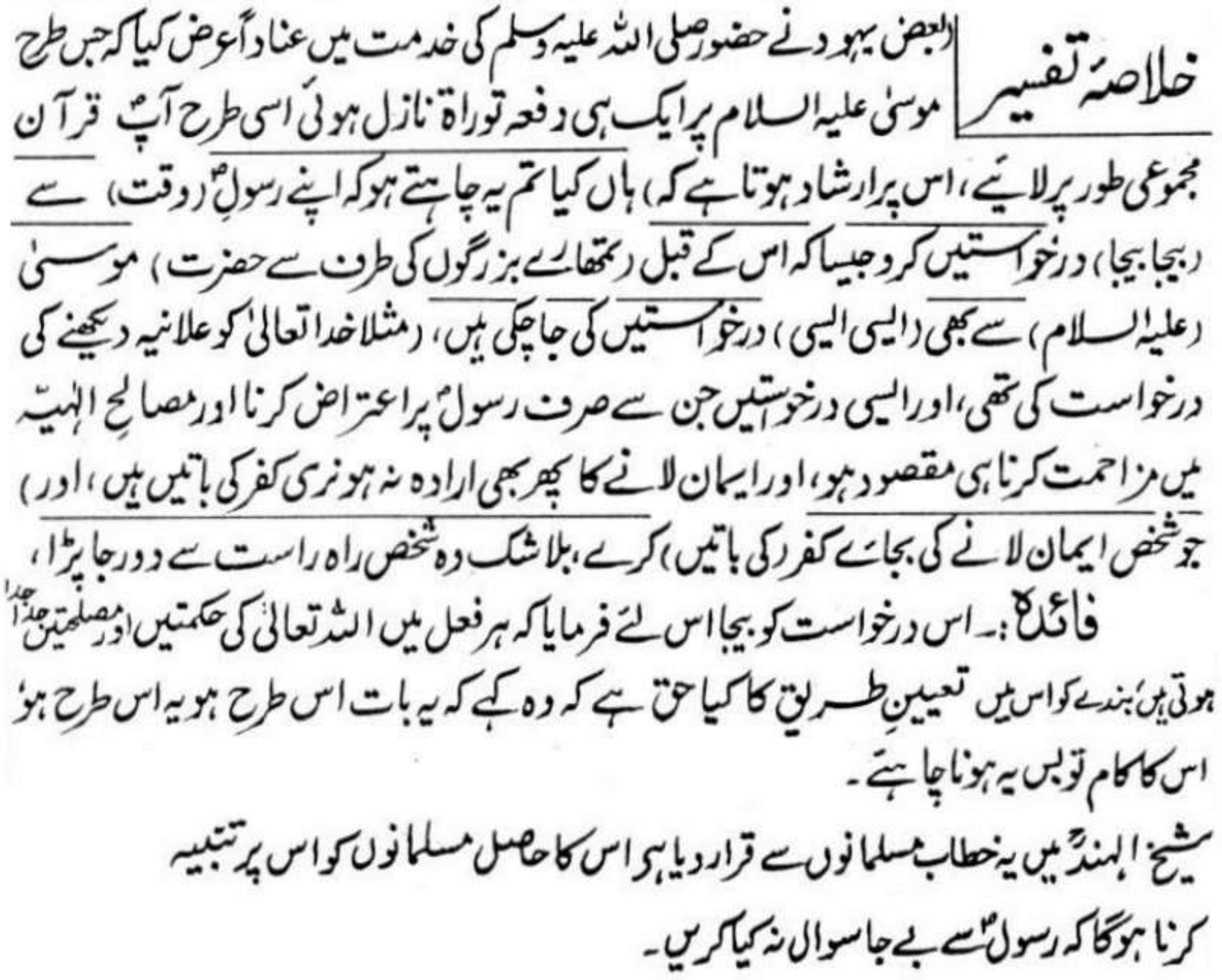

**خلاصۂ تفسیر**

(بعض یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ توراۃ نازل ہوئی اسی طرح آپؐ قرآن مجموعی طور پر لائیے، اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ) ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ (وقت) سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل (تمھارے بزرگوں کی طرف سے حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جاچکی ہیں، (مثلاً خدا تعالیٰ کو علانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی، اور ایسی درخواستیں جن سے صرف رسولؐ پر اعتراض کرنا اور مصالحِ الٰہیہ میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو، اور ایمان لانے کا کچھ بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں، اور) جو شخص ایمان لانے کی بجائے کفر (کی باتیں) کرے، بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا،

**فائدہ:۔** اس درخواست کو بیجا اس لئے فرمایا کہ ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں جدا جدا ہوتی ہیں، بندے کو اس میں تعیینِ طریق کا کیا حق ہے کہ وہ کہے کہ یہ بات اس طرح ہو یہ اس طرح ہو، اس کا کام تو بس یہ ہونا چاہیے۔

شیخ الہندؒ میں یہ خطاب مسلمانوں سے قرار دیا ہے اس کا حاصل مسلمانوں کو اس پر تنبیہ کرنا ہوگا کہ رسولؐ سے بے جا سوال نہ کیا کریں۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ
عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا
تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۱۵۵۔ یعنی بہت سے یہودیوں کو آرزو ہے کہ کسی طرح تم کو اے مسلمانو پھیر کر پھر کافر بنادیں حالانکہ ان کو واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین ان کی کتاب ان کا نبی سب سچے ہیں۔

۱۵۶۔ یعنی جب تک ہمارا حکم کوئی نہ آئے اس وقت تک یہود کی باتوں پر صبر کرو۔ سو آخر کو حکم آگیا کہ یہود کو مدینہ کے گرد سے نکال دو۔

۱۵۷۔ یعنی اپنے ضعف سے تردد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تم کو عزیز اور یہود کو ذلیل کرے گا یا یہ کہ تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔

۱۵۸۔ **نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو:** یعنی ان کی ایذا پر صبر کرو اور عبادات میں مشغول رہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل ہرگز نہیں تمہاری کوئی نیک بات ضائع نہیں ہو سکتی۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

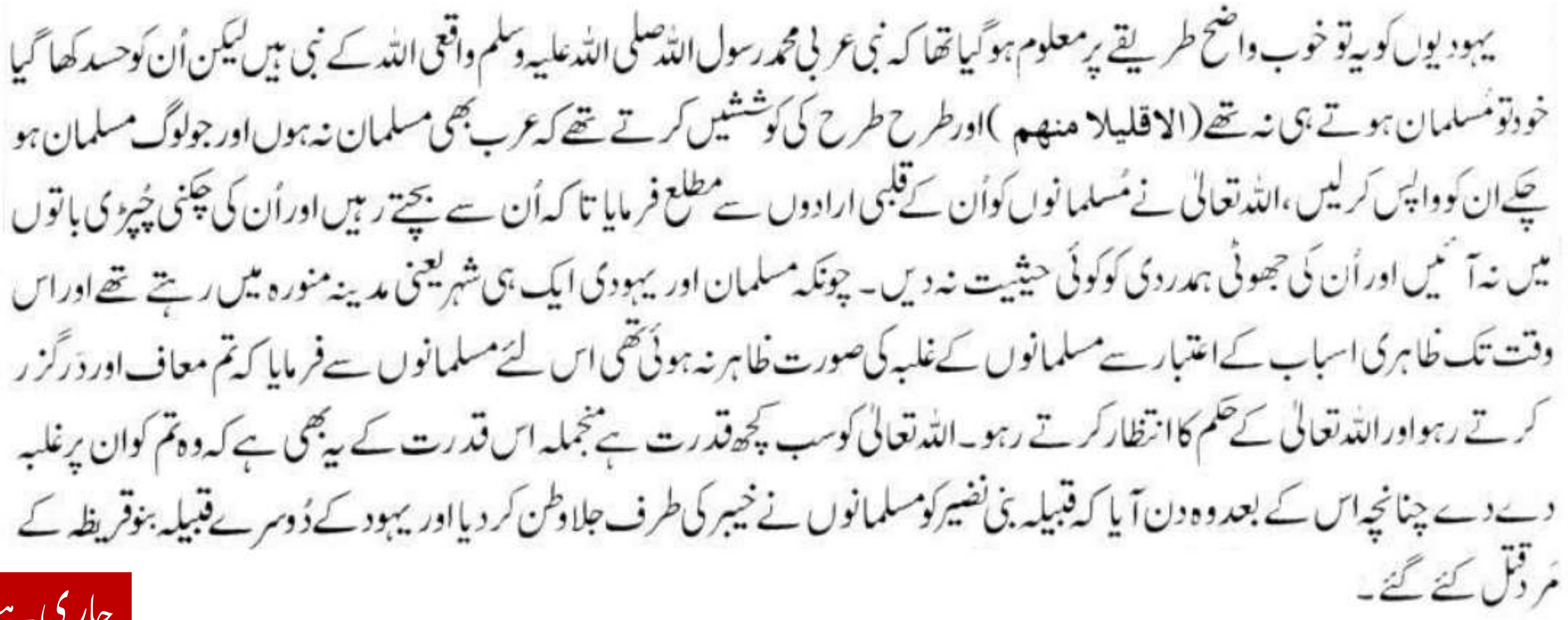

یہودیوں کو یہ تو خوب واضح طریقے پر معلوم ہو گیا تھا کہ نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے نبی ہیں لیکن اُن کو حسد کھا گیا خود تو مُسلمان ہوتے ہی نہ تھے (الا قلیلا منھم) اور طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے کہ عرب بھی مسلمان نہ ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کو واپس کر لیں، اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو اُن کے قلبی ارادوں سے مطلع فرمایا تا کہ اُن سے بچتے رہیں اور اُن کی چکنی چُپڑی باتوں میں نہ آئیں اور اُن کی جھوٹی ہمدردی کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ چونکہ مسلمان اور یہودی ایک ہی شہر یعنی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور اس وقت تک ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی اس لئے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم معاف اور درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے منجملہ اس قدرت کے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ان پر غلبہ دے دے چنانچہ اس کے بعد وہ دن آیا کہ قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا اور یہود کے دُوسرے قبیلہ بنو قریظہ کے مَرد قتل کئے گئے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

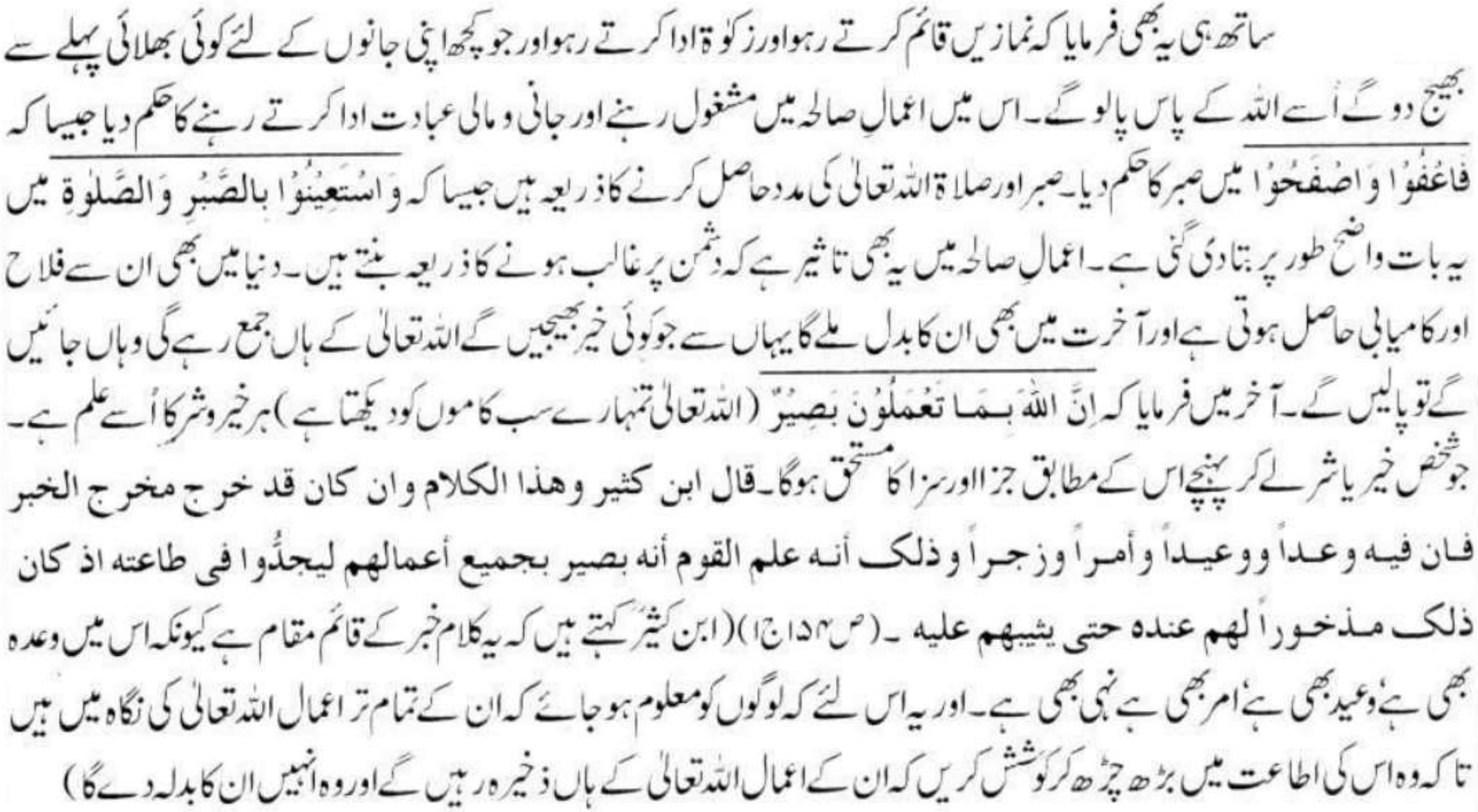

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نمازیں قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی پہلے سے بھیج دو گے اُسے اللہ کے پاس پالو گے۔ اس میں اعمالِ صالحہ میں مشغول رہنے اور جانی و مالی عبادت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا میں صبر کا حکم دیا۔ صبر اور صلاۃ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ میں یہ بات واضح طور پر بتادی گئی ہے۔ اعمالِ صالحہ میں یہ بھی تاثیر ہے کہ دشمن پر غالب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان کا بدل ملے گا یہاں سے جو کوئی خیر بھیجیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہے گی وہاں جائیں گے تو پالیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے) ہر خیر و شر کا اُسے علم ہے۔ جو شخص خیر یا شر لے کر پہنچے اس کے مطابق جزا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ قال ابن کثیر وھذا الکلام وان کان قد خرج مخرج الخبر فان فیہ وعداً ووعیداً وأمراً وزجراً وذلک أنہ علم القوم أنہ بصیر بجمیع أعمالھم لیجدُّوا فی طاعتہ اذ کان ذلک مذخوراً لھم عندہ حتی یثیبھم علیہ۔ (ص۱۵۴ ج۱) (ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ کلام خبر کے قائم مقام ہے کیونکہ اس میں وعدہ بھی ہے، وعید بھی ہے، امر بھی ہے، نہی بھی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے تمام تر اعمال اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں تاکہ وہ اس کی اطاعت میں بڑھ چڑھ کر کوشش کریں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ رہیں گے اور وہ انہیں ان کا بدلہ دے گا)

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

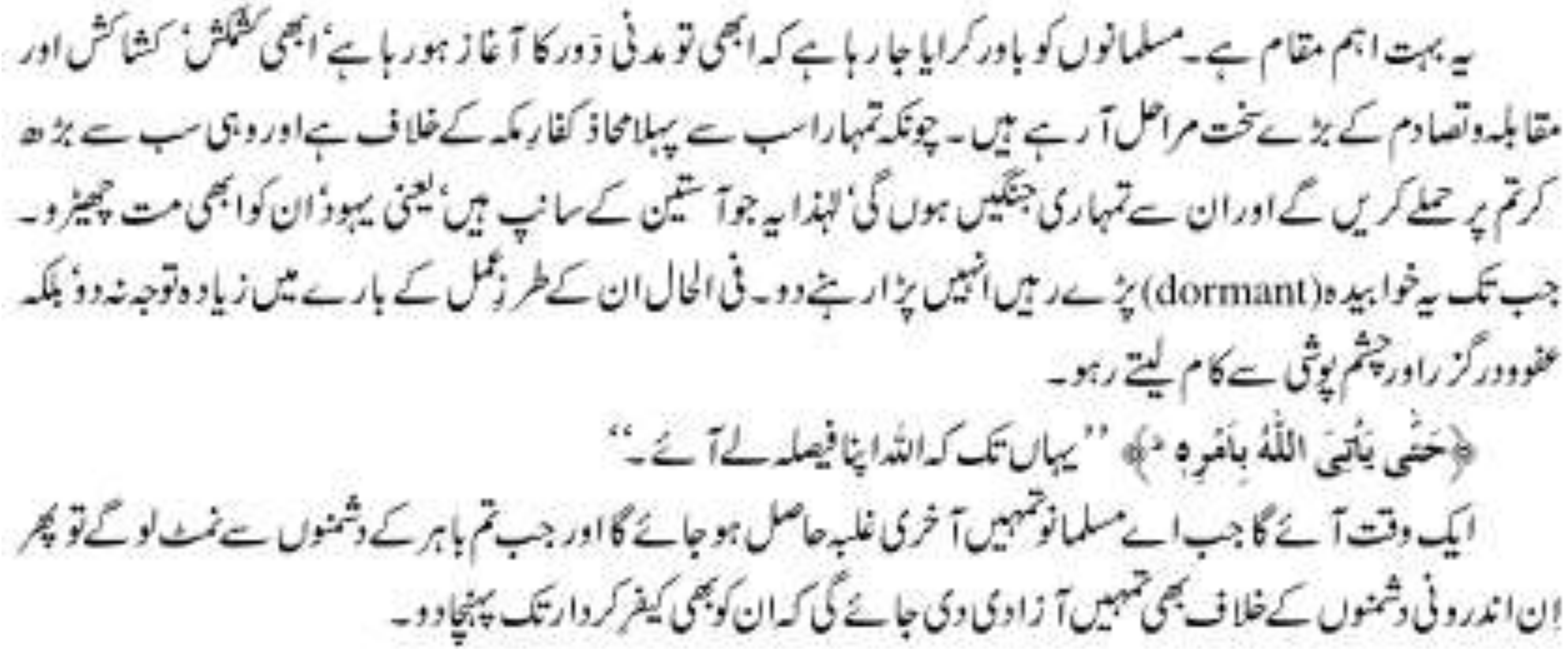

یہ بہت اہم مقام ہے۔ مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ ابھی تو مدنی دَور کا آغاز ہو رہا ہے' ابھی کشمکش' کشاکش اور مقابلہ و تصادم کے بڑے سخت مراحل آ رہے ہیں۔ چونکہ تمہارا اب سے پہلا محاذ کفارِ مکہ کے خلاف ہے اور وہی سب سے بڑھ کر تم پر حملے کریں گے اور ان سے تمہاری جنگیں ہوں گی' لہٰذا یہ جو آستین کے سانپ ہیں' یعنی یہود' ان کو ابھی مت چھیڑو۔ جب تک یہ خوابیدہ (dormant) پڑے رہیں انہیں پڑا رہنے دو۔ فی الحال ان کے طرزِ عمل کے بارے میں زیادہ توجہ نہ دو' بلکہ عفو و درگزر اور چشم پوشی سے کام لیتے رہو۔

﴿حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔''

ایک وقت آئے گا جب اے مسلمانو تمہیں آخری غلبہ حاصل ہو جائے گا اور جب تم باہر کے دشمنوں سے نمٹ لو گے تو پھر اِن اندرونی دشمنوں کے خلاف بھی تمہیں آزادی دی جائے گی کہ ان کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچا دو۔

جاری ہے

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

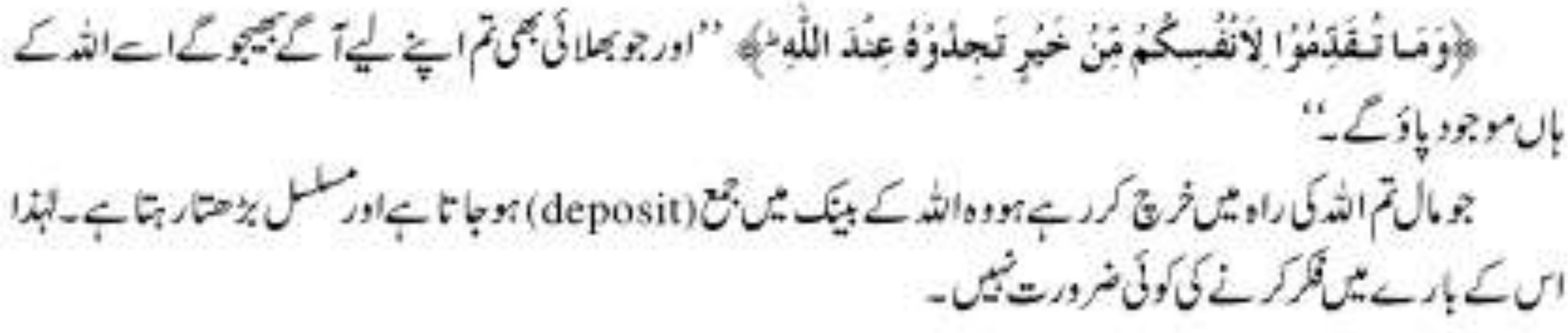

﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ط﴾ ''اور جو بھلائی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔''

جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو وہ اللہ کے بینک میں جمع (deposit) ہو جاتا ہے اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

# مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

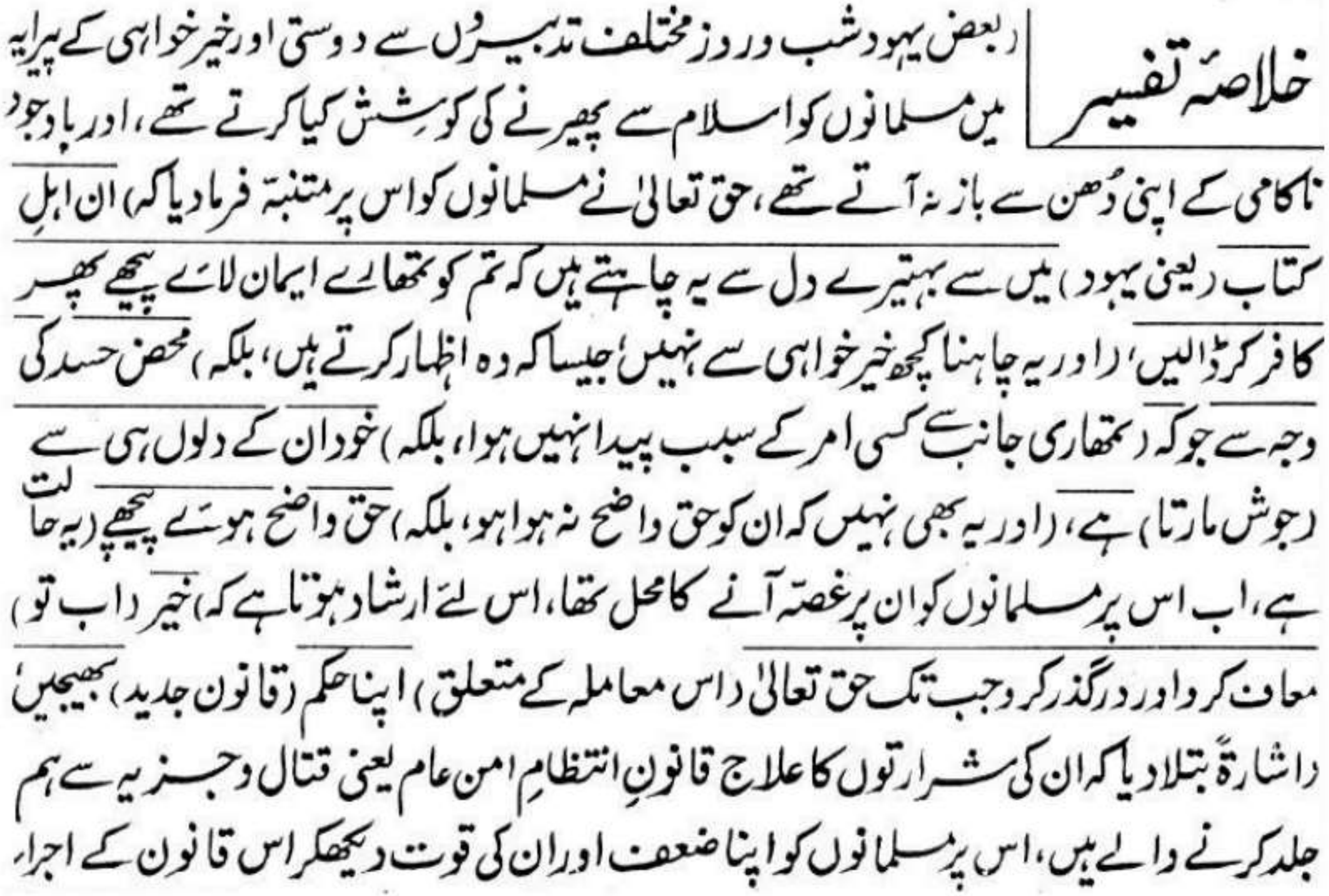

## خلاصۂ تفسیر

(بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اور باوجود ناکامی کے اپنی دُھن سے باز نہ آتے تھے، حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبّہ فرمادیا کہ) ان اہلِ کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمھارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں، (اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں جیساکہ وہ اظہار کرتے ہیں، بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ (تمھاری جانب سے کسی امر کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ) خود ان کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے، (اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو، بلکہ) حق واضح ہوئے پیچھے (یہ حالت ہے، اب اس پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا محل تھا، اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ) خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں، (اشارۃً بتلادیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج قانونِ انتظامِ امن عام یعنی قتال وجزیہ سے ہم جلد کرنے والے ہیں، اس پر مسلمانوں کو اپنا ضعف اور ان کی قوت دیکھ کر اس قانون کے اجراء

جاری ہے

## مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

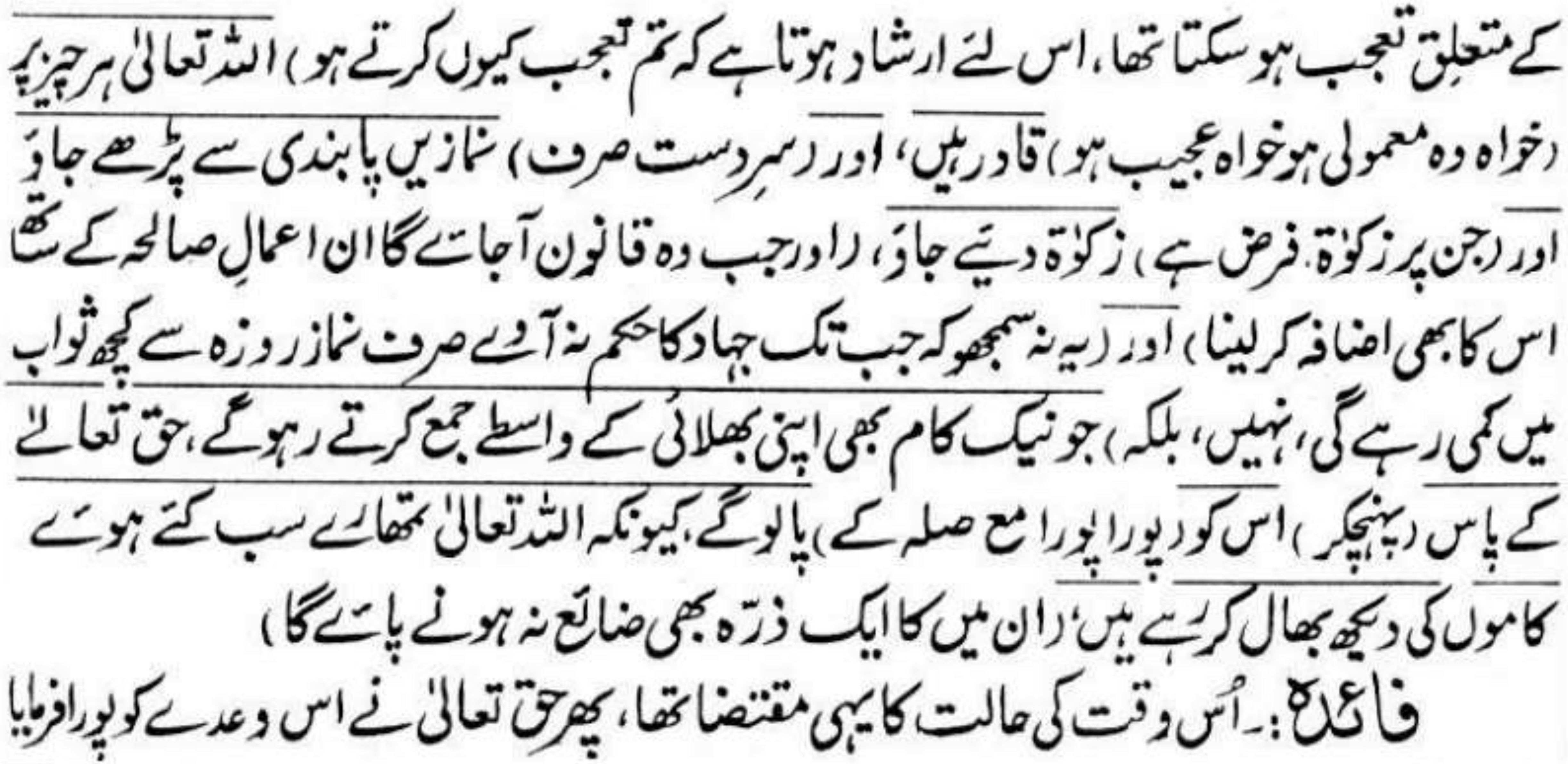

کے متعلق تعجب ہو سکتا تھا، اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (خواہ وہ معمولی ہو خواہ عجیب ہو) قادر ہیں، اور (سر دست صرف) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور (جن پر زکوٰۃ فرض ہے) زکوٰۃ دیئے جاؤ، (اور جب وہ قانون آجائے گا ان اعمالِ صالحہ کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کرلینا) اور (یہ نہ سمجھو کہ جب تک جہاد کا حکم نہ آوے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی، نہیں، بلکہ) جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس (پہنچکر) اس کو (پورا پورا مع صلہ کے) پالوگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال کررہے ہیں، (ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا)

**فائدہ:** اُس وقت کی حالت کا یہی مقتضا تھا، پھر حق تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا

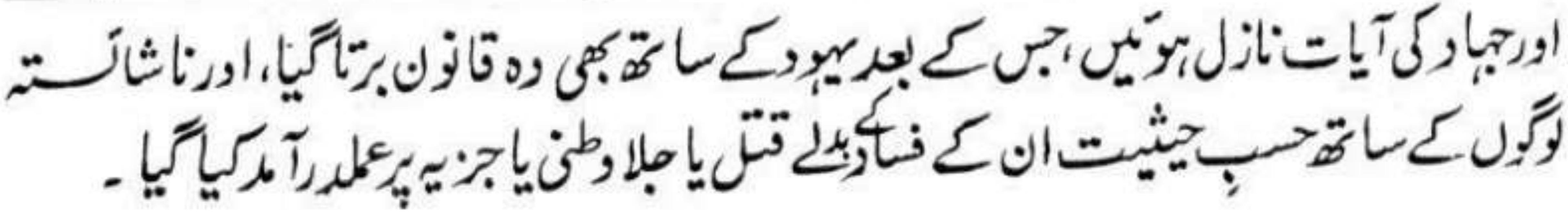

اور جہاد کی آیات نازل ہوئیں، جس کے بعد یہود کے ساتھ بھی وہ قانون برتا گیا، اور ناشائستہ لوگوں کے ساتھ حسبِ حیثیت ان کے فساد کے بدلے قتل یا جلا وطنی یا جزیہ پر عملدر آمد کیا گیا۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١١١ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝١١٢ ع

## شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

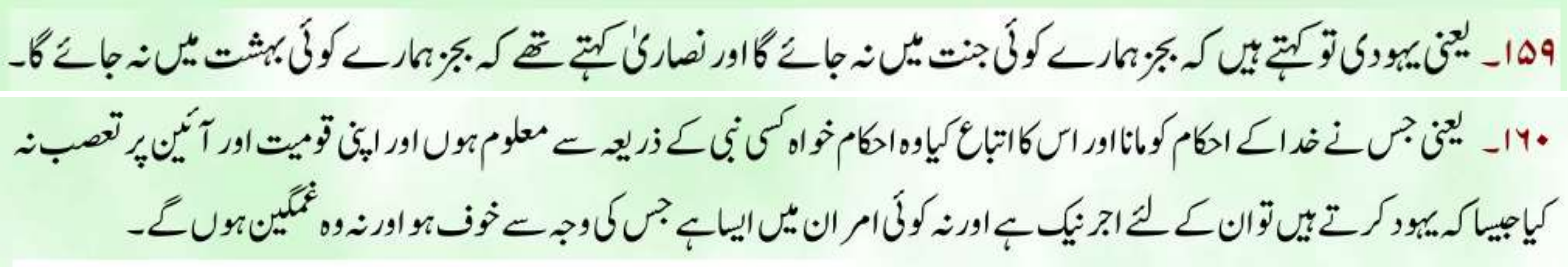

۱۵۹۔ یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔

۱۶۰۔ یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر ان میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۷۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

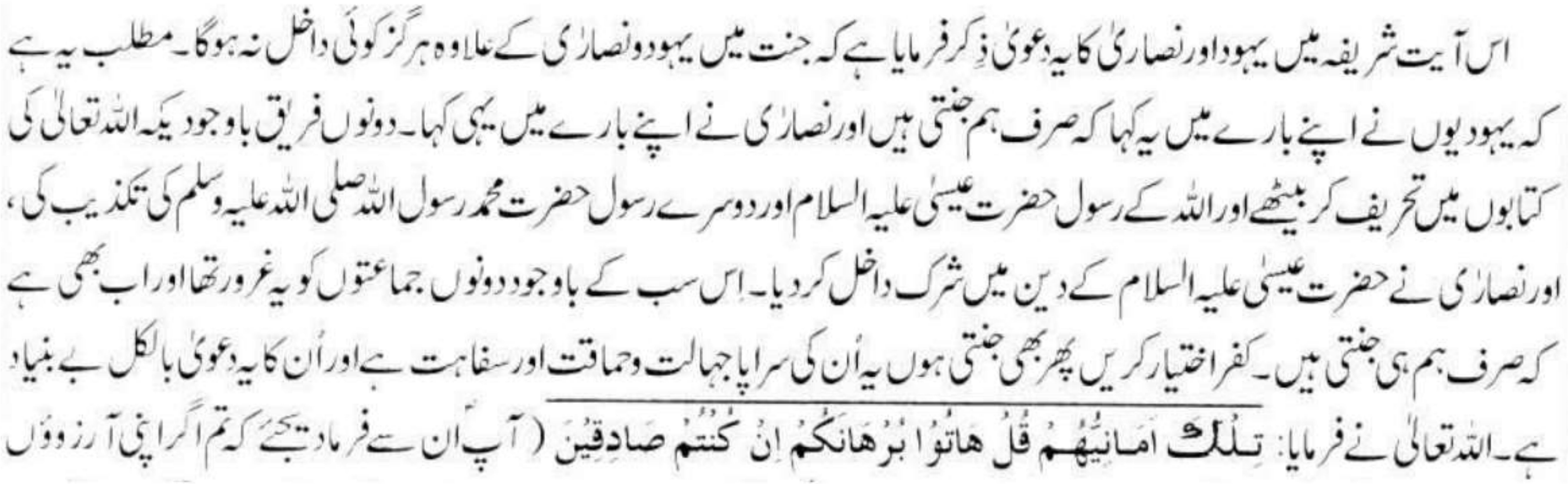

اس آیت شریفہ میں یہود اور نصارٰی کا یہ دعویٰ ذِکر فرمایا ہے کہ جنت میں یہود و نصارٰی کے علاوہ ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ صرف ہم جنتی ہیں اور نصارٰی نے اپنے بارے میں یہی کہا۔ دونوں فریق باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے اور اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، اور نصارٰی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شرک داخل کر دیا۔ اِس سب کے باوجود دونوں جماعتوں کو یہ غرور تھا اور اب بھی ہے کہ صرف ہم ہی جنتی ہیں۔ کفر اختیار کریں پھر بھی جنتی ہوں یہ اُن کی سراپا جہالت وحماقت اور سفاہت ہے اور اُن کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (آپ اُن سے فرما دیجئے کہ تم اگر اپنی آرزوؤں

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

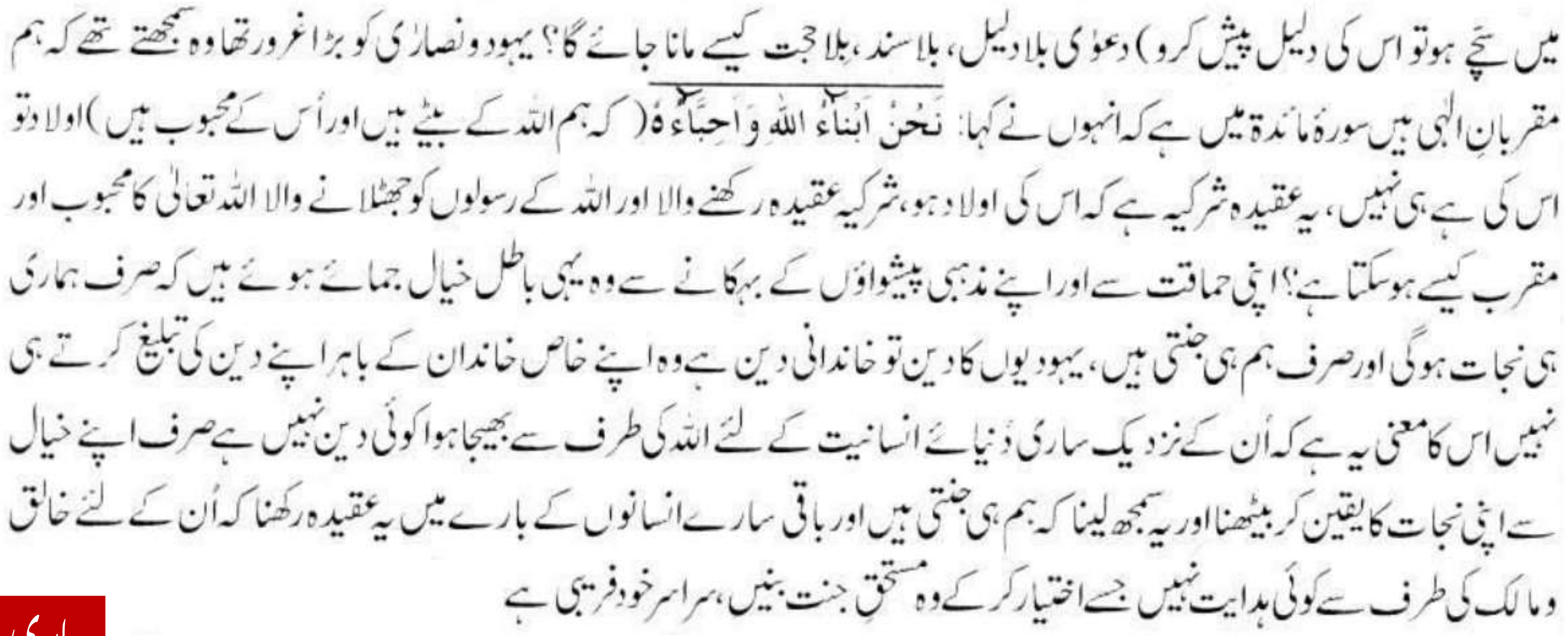

میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو) دعوٰی بلا دلیل، بلا سند، بلا حجت کیسے مانا جائے گا؟ یہود و نصاریٰ کو بڑا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم مقربانِ الٰہی ہیں سورۂ مائدۃ میں ہے کہ انہوں نے کہا: نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآءُهٗ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے محبوب ہیں) اولاد تو اس کی ہے ہی نہیں، یہ عقیدہ شرکیہ ہے کہ اس کی اولاد ہو، شرکیہ عقیدہ رکھنے والا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب کیسے ہو سکتا ہے؟! اپنی حماقت سے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے بہکانے سے وہ یہی باطل خیال جمائے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور صرف ہم ہی جنتی ہیں، یہودیوں کا دین تو خاندانی دین ہے وہ اپنے خاص خاندان کے باہر اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اُن کے نزدیک ساری دُنیائے انسانیت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی دین نہیں ہے صرف اپنے خیال سے اپنی نجات کا یقین کر بیٹھنا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم ہی جنتی ہیں اور باقی سارے انسانوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اُن کے لئے خالق و مالک کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں جسے اختیار کر کے وہ مستحقِ جنت بنیں، سراسر خود فریبی ہے

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

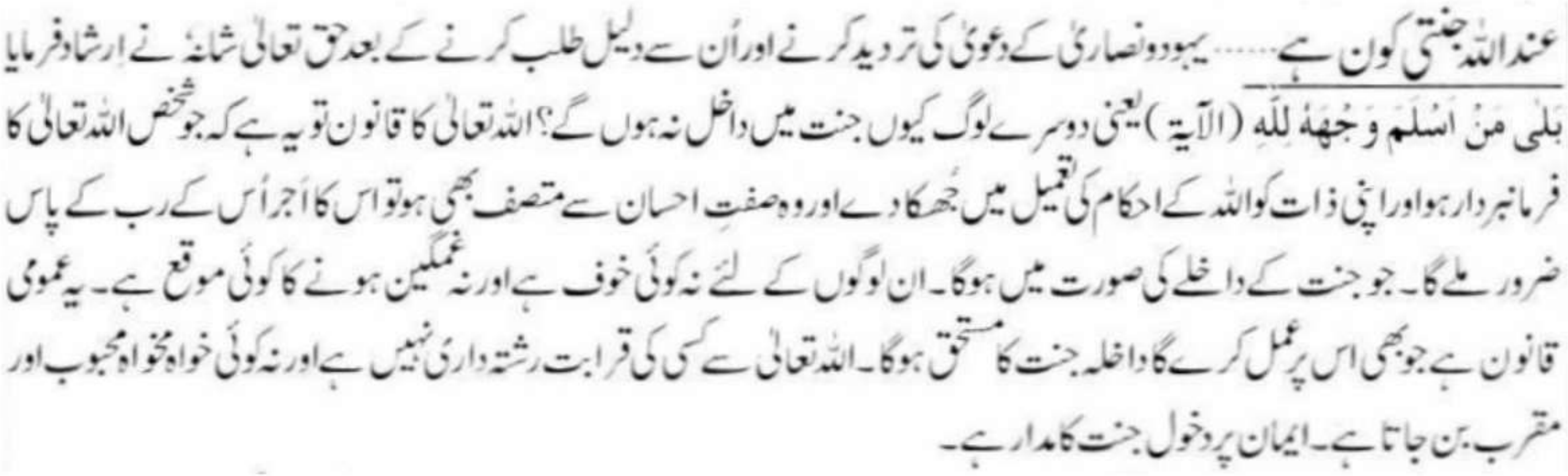

**عنداللہ جنتی کون ہے** ...... یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرنے اور اُن سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (الآیۃ) یعنی دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جُھکا دے اور وہ صفتِ احسان سے متصف بھی ہو تو اس کا اَجر اُس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہونے کا کوئی موقع ہے۔ یہ عمومی قانون ہے جو بھی اس پر عمل کرے گا داخلہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قرابت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ ایمان پر دخول جنت کا مدار ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

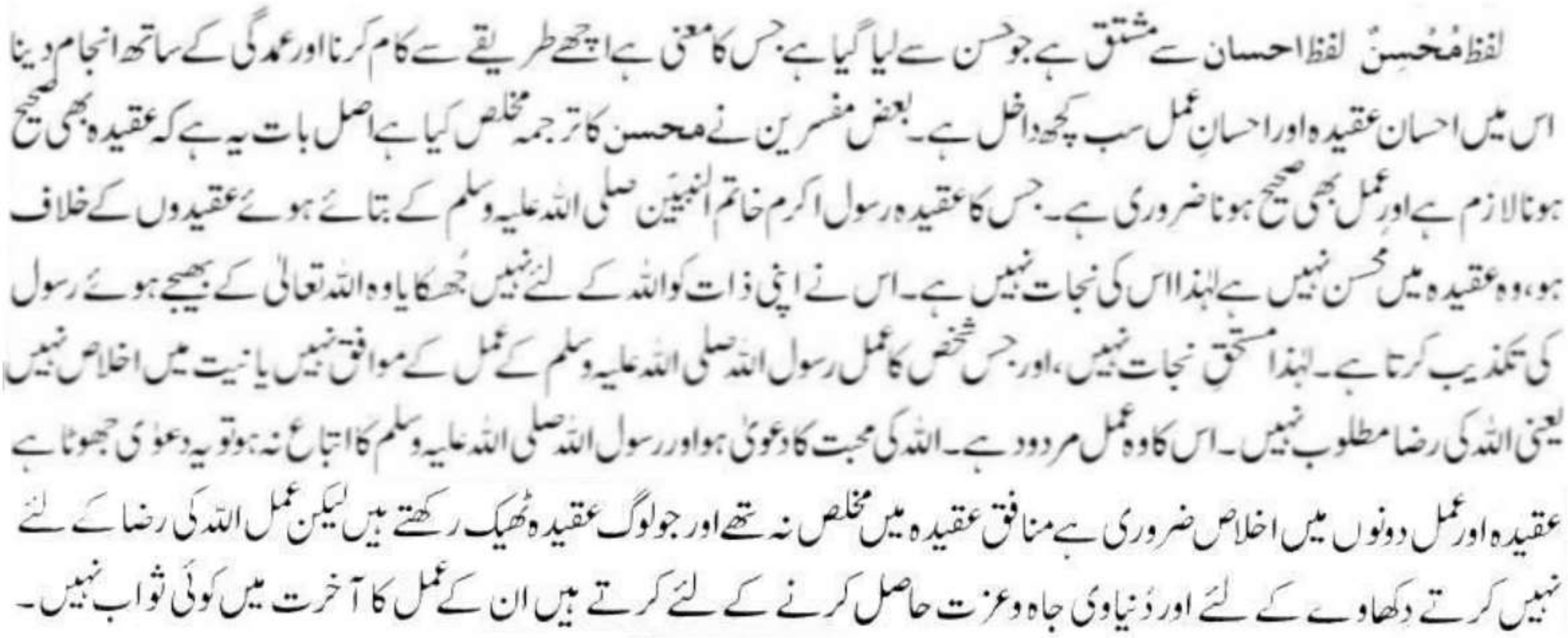

لفظ مُحْسِنٌ لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمدگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسانِ عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ مخلص کیا ہے اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہونا لازم ہے اورِ عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو، وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہٰذا اس کی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے نہیں جُھکایا وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا مستحقِ نجات نہیں، اور جس شخص کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہیں یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا مطلوب نہیں۔ اس کا وہ عمل مردود ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتے دِکھاوے کے لئے اور دُنیاوی جاہ وعزت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ان کے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

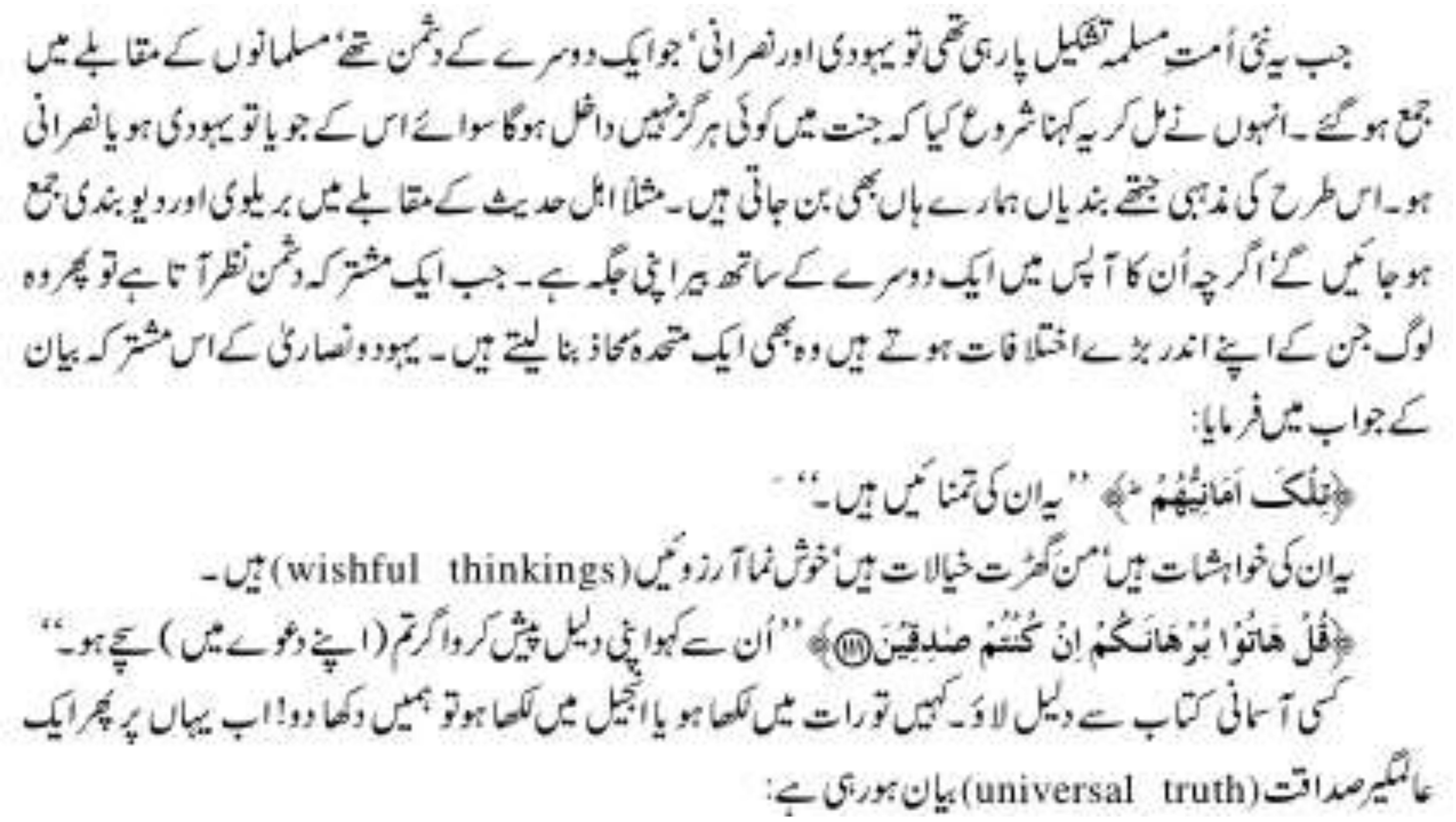

جب یہ نئی اُمتِ مسلمہ تشکیل پا رہی تھی تو یہودی اور نصرانی' جو ایک دوسرے کے دشمن تھے' مسلمانوں کے مقابلے میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے مل کر یہ کہنا شروع کیا کہ جنت میں کوئی ہرگز نہیں داخل ہوگا سوائے اس کے جو یا تو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ اس طرح کی مذہبی جتھے بندیاں ہمارے ہاں بھی بن جاتی ہیں۔ مثلاً اہل حدیث کے مقابلے میں بریلوی اور دیوبندی جمع ہو جائیں گے' اگرچہ اُن کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیر اپنی جگہ ہے۔ جب ایک مشترکہ دشمن نظر آتا ہے تو پھر وہ لوگ جن کے اپنے اندر بڑے اختلافات ہوتے ہیں وہ بھی ایک متحدہ محاذ بنا لیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ بیان کے جواب میں فرمایا:

﴿تِلْكَ اَمَانِیُّھُمْ ؕ﴾ ''یہ ان کی تمنائیں ہیں۔''

یہ ان کی خواہشات ہیں' من گھڑت خیالات ہیں' خوش نما آرزوئیں (wishful thinkings) ہیں۔

﴿قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (١١١)﴾ ''اُن سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔''

کسی آسمانی کتاب سے دلیل لاؤ۔ کہیں تورات میں لکھا ہو یا انجیل میں لکھا ہو تو ہمیں دکھا دو! اب یہاں پر پھر ایک عالمگیر صداقت (universal truth) بیان ہو رہی ہے:

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ
عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ
قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۱۳

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۱۶۱۔ یہودیوں نے توریت پڑھ کو سمجھ لیا کہ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا تو بیشک وہ کافر ہو گئے اور نصرانیوں نے انجیل میں صاف دیکھ لیا کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔

۱۶۲۔ **کفار و مشرکین کے بے دلیل دعوے:** ان جاہلوں سے مشرکین عرب اور بت پرست مراد ہیں یعنی جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں اسی طرح بت پرست بھی اپنے سوا سب فرقوں کو گمراہ اور بے دین بتلاتے ہیں۔ سو دنیا میں کہے جائیں قیامت کو فیصلہ ہو جائے گا

{فائدہ} یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب **کَذٰلِكَ** فرمادیا تو پھر **مثل قولھم** فرمانے کی کیا حاجت۔ بعض مفسرین نے جواب دیا کہ **مثل قولھم** توضیح اور تاکید ہے **کَذٰلِكَ** کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں دو تشبیہ جدا جدا ہیں اس لئے دو لفظ لائے ایک تشبیہ سے تو یہ غرض ہے کہ ان کا اور ان کا مقولہ باہم مشابہ ہے (یعنی جیسے وہ دوسروں کو گمراہ کہتے ہیں ایسا ہی یہ بھی) اور ایک تشبیہ سے یہ غرض ہے کہ جیسا اہل کتاب یہ دعویٰ بے دلیل اپنی ہوائے نفس اور عداوت سے کرتے تھے ایسے ہی بت پرست بھی بے دلیل محض خواہش نفسانی سے ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

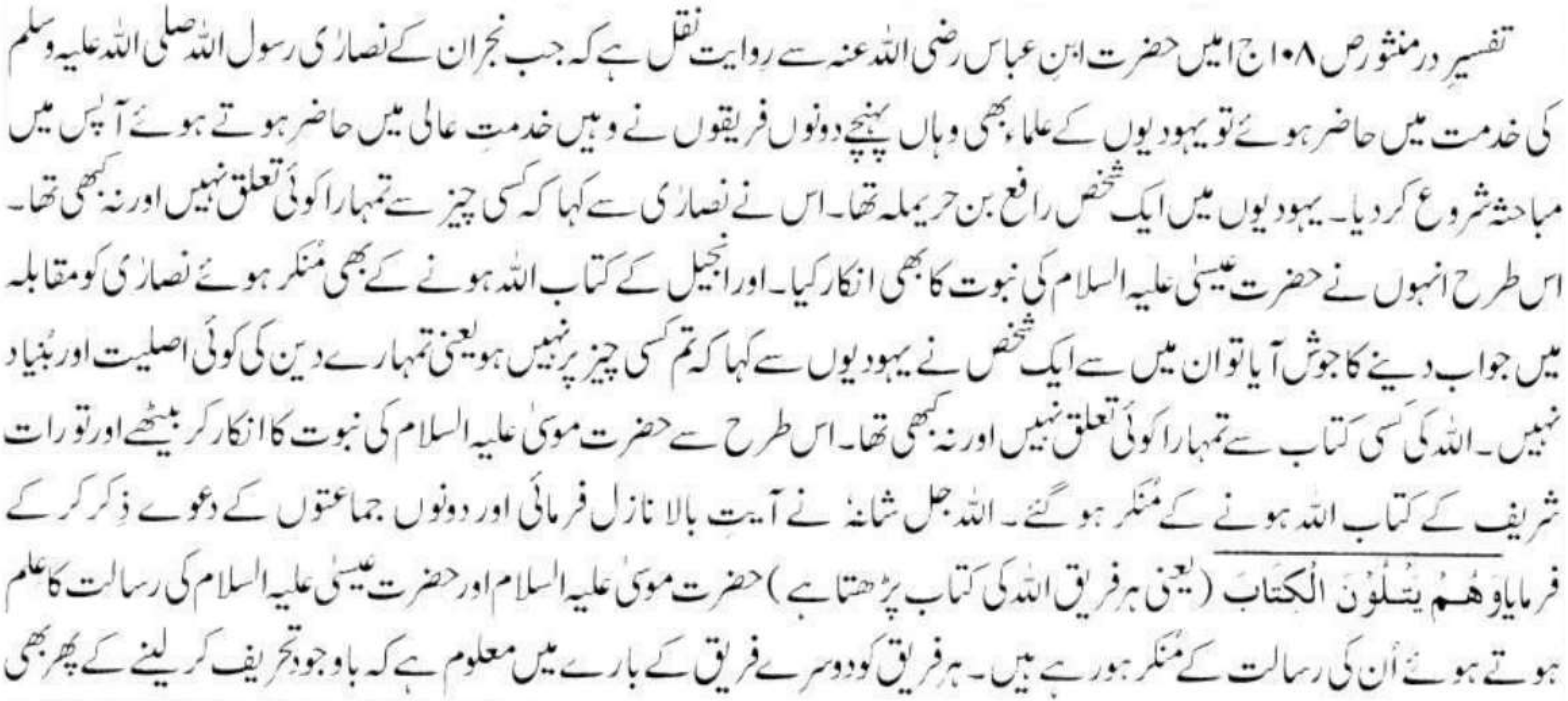

تفسیرِ درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصارٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے علماء بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں نے وہیں خدمتِ عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کر دیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریملہ تھا۔ اس نے نصارٰی سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا۔ اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی مُنکر ہوئے نصارٰی کو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بُنیاد نہیں۔ اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسٰی علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور توراتِ شریف کے کتاب اللہ ہونے کے مُنکر ہو گئے۔ اللہ جل شانہٗ نے آیتِ بالا نازل فرمائی اور دونوں جماعتوں کے دعوے ذکر کر کے فرمایا وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ (یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے) حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کا علم ہوتے ہوئے اُن کی رسالت کے مُنکر ہو رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تحریف کر لینے کے پھر بھی

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

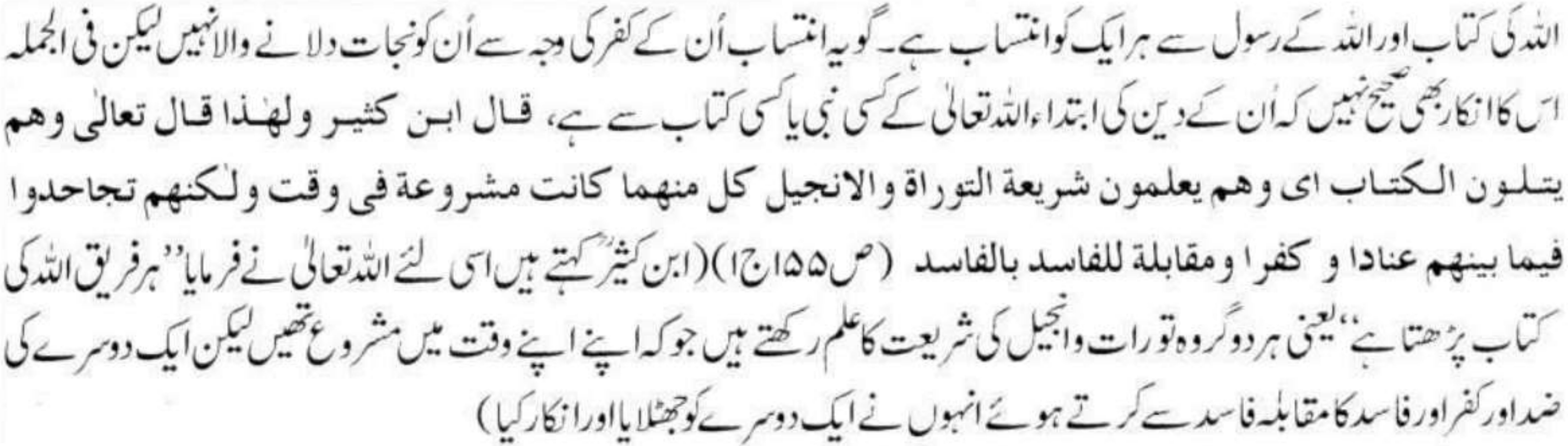

اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گو یہ انتساب اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ اُن کے دین کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے، قال ابن کثیر ولھذا قال تعالٰی وھم یتلون الکتاب ای وھم یعلمون شریعة التوراة والانجیل کل منھما کانت مشروعة فی وقت ولکنھم تجاحدوا فیما بینھم عنادا و کفرا ومقابلة للفاسد بالفاسد (ص۱۵۵ج۱) (ابن کثیرؒ کہتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے“ یعنی ہر دو گروہ تورات وانجیل کی شریعت کا علم رکھتے ہیں جو کہ اپنے اپنے وقت میں مشروع تھیں لیکن ایک دوسرے کی ضد اور کفر اور فاسد کا مقابلہ فاسد سے کرتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کو جھٹلایا اور انکار کیا)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

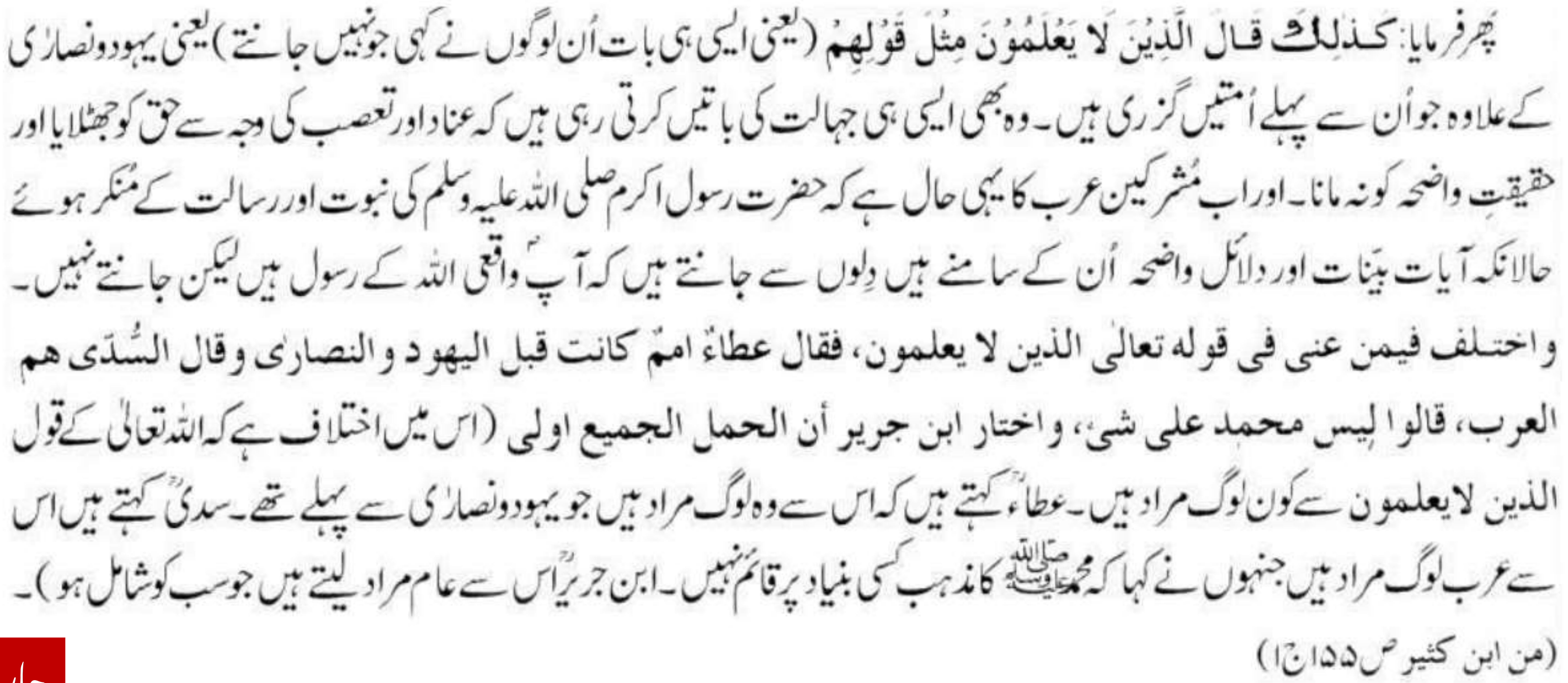

پھر فرمایا: كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (یعنی ایسی ہی بات اُن لوگوں نے کہی جو نہیں جانتے) یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو اُن سے پہلے اُمتیں گزری ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہی ہیں کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقتِ واضحہ کو نہ مانا۔ اور اب مُشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات بیّنات اور دلائل واضحہ اُن کے سامنے ہیں دِلوں سے جانتے ہیں کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن جانتے نہیں۔

واختلف فيمن عنى فى قوله تعالٰى الذين لا يعلمون، فقال عطاءٌ اممٌ كانت قبل اليهود والنصارٰى وقال السُّدّى هم العرب، قالوا ليس محمد على شيء، واختار ابن جرير أن الحمل الجميع اولى (اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول الذین لا یعلمون سے کون لوگ مراد ہیں۔ عطاءؒ کہتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہود و نصاریٰ سے پہلے تھے۔ سدیؒ کہتے ہیں اس سے عرب لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں۔ ابن جریرؒ اس سے عام مراد لیتے ہیں جو سب کو شامل ہو)۔

(من ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۱)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

پھر فرمایا: فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ کہ قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ اُن سب کو جمع فرمائیں گے اور عدل کے ساتھ اُن کے درمیان فیصلے فرمائیں گے اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل کا پتہ چل جائے گا۔

سورۂ سبا میں فرمایا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان میں حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیں گے اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہلِ حق کو جنت میں اور اہلِ باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قول اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دُنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى
فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۱۶۳۔ **مساجد کا احترام:** اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کر کے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب و عناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے۔

۱۶۴۔ یعنی ان کفار کو لائق یہی تھا کہ مساجد اللہ میں خوف و تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ داخل ہوتے کفار نے جو وہاں کی بے حرمتی کی یہ صریح ظلم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں حکومت اور عزت کے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ملک شام اور مکہ اللہ نے مسلمانوں کو دلوا دیا۔

۱۶۵۔ یعنی دنیا میں مغلوب ہوئے، قید میں پڑے اور مسلمانوں کے باجگذار ہوئے۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۷۴) اُوپر یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی زمانے میں اور کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے شاہ طیطوس کے زمانے میں بیت المقدس پر حملہ کرکے اسے تاخت و تاراج کیا۔ ابرہہ نے جو عیسائی ہونے کا مدعی تھا بیت اللہ پر حملہ کرکے اُسے ویران کرنے کی کوشش کی۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے رہے، اور یہودیوں نے بیت اللہ کے تقدس سے انکار کرکے عملاً لوگوں کو اس کی طرف رُخ کرنے سے روکا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ایک طرف ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ تنہا وہی جنت کا حق دار

جاری ہے

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

ہے، اور دوسری طرف ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں رُکاوٹ ڈالنے یا عبادت گاہوں کو ویران کرنے کے درپے رہے ہیں۔ اسی آیت کا اگلا جملہ ذو معنیٰ ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا خوف لے کر داخل ہوتے، نہ یہ کہ متکبرانہ انداز میں انہیں ویران کریں، یا لوگوں کو وہاں اللہ کی عبادت سے روکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ متکبر لوگ جو اللہ کی مسجدوں سے لوگوں کو روک رہے ہیں، حق پرستوں کے سامنے ایسے مغلوب ہوں گے کہ انہیں خود ان جگہوں پر ڈر ڈر کر داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر کفارِ مکہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

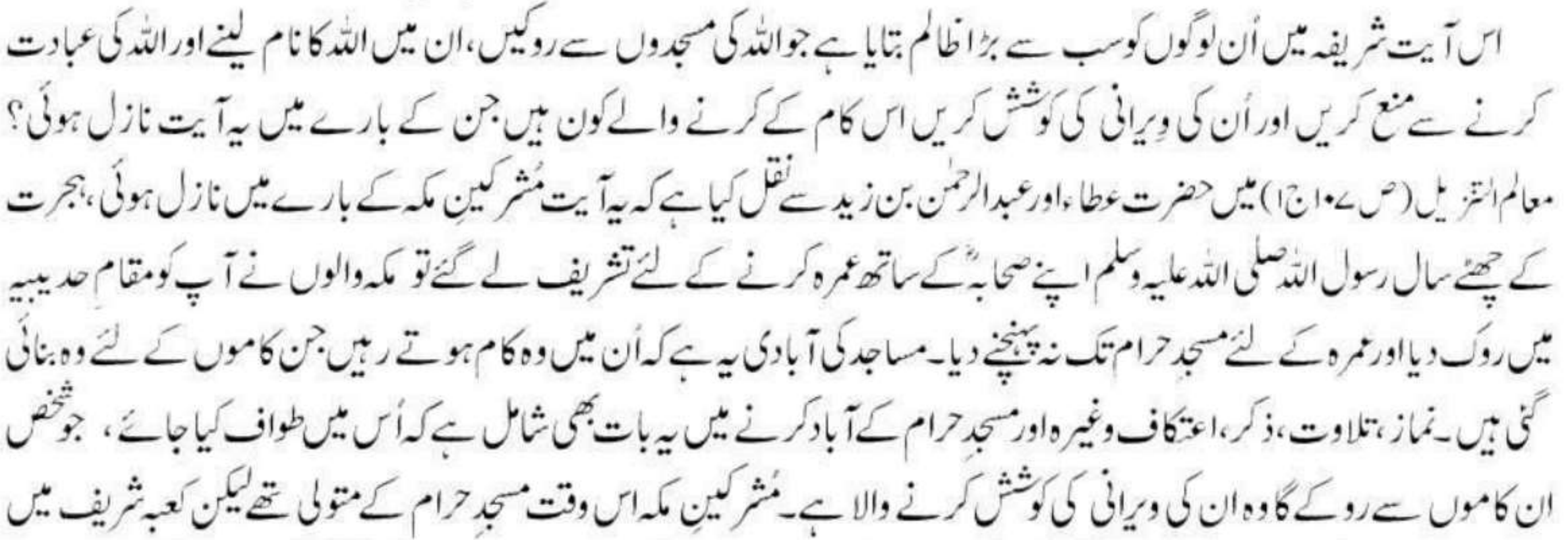

اس آیت شریفہ میں اُن لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں، ان میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور اُن کی وِیرانی کی کوشش کریں اس کام کے کرنے والے کون ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ معالم التنزیل (ص ۱۰۷ ج ۱) میں حضرت عطاء اور عبدالرحمٰن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مُشرکینِ مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقامِ حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لئے مسجدِ حرام تک نہ پہنچنے دیا۔ مساجد کی آبادی یہ ہے کہ اُن میں وہ کام ہوتے رہیں جن کاموں کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجدِ حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُس میں طواف کیا جائے، جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والا ہے۔ مُشرکینِ مکہ اس وقت مسجدِ حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

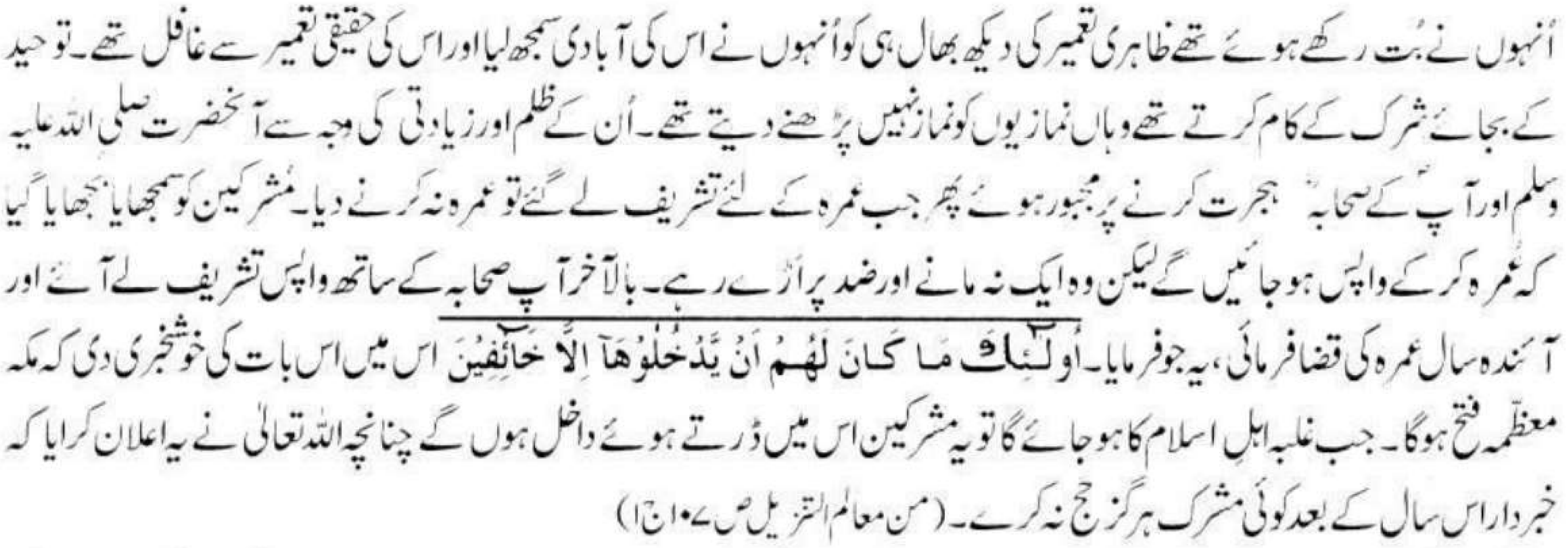

اُنہوں نے بُت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو اُنہوں نے اس کی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے وہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ اُن کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مُشرکین کو سمجھایا بجھایا گیا کہ عُمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پر اڑے رہے۔ بالآخر آپ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی، یہ جو فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ اس میں اس بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہوگا۔ جب غلبہ اہلِ اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج نہ کرے۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

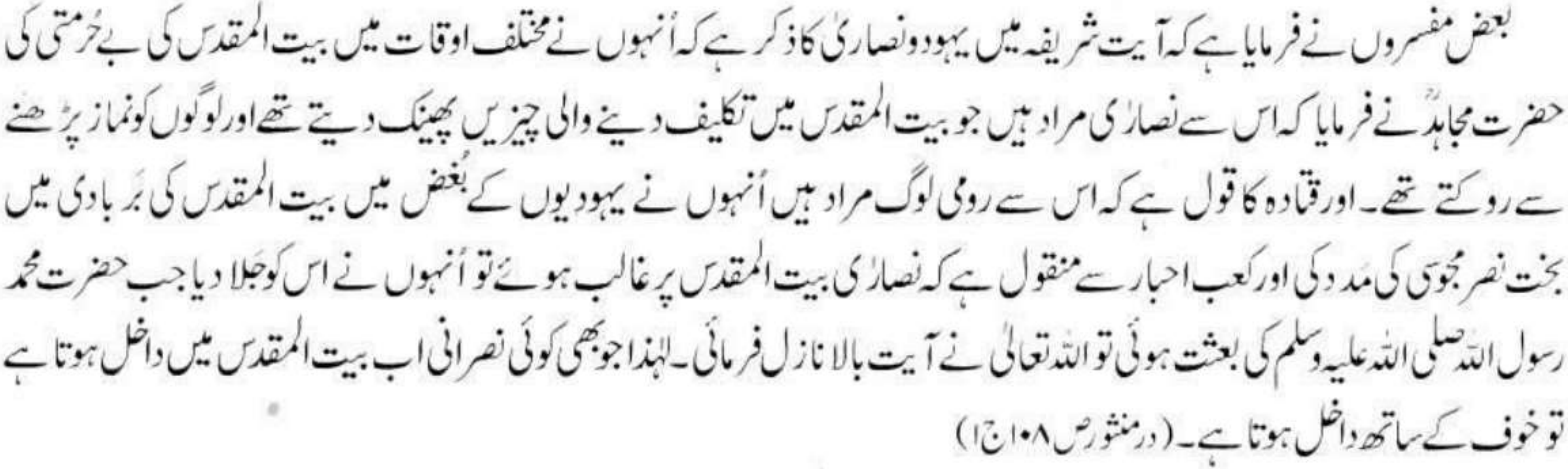

بعض مفسروں نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصارٰی کا ذکر ہے کہ اُنہوں نے مختلف اوقات میں بیت المقدس کی بے حُرمتی کی حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے نصارٰی مراد ہیں جو بیت المقدس میں تکلیف دینے والی چیزیں پھینک دیتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے رومی لوگ مراد ہیں اُنہوں نے یہودیوں کے بُغض میں بیت المقدس کی بَربادی میں بخت نصر مجوسی کی مدد کی اور کعب احبار سے منقول ہے کہ نصارٰی بیت المقدس پر غالب ہوئے تو اُنہوں نے اس کو جلا دیا جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ لہٰذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

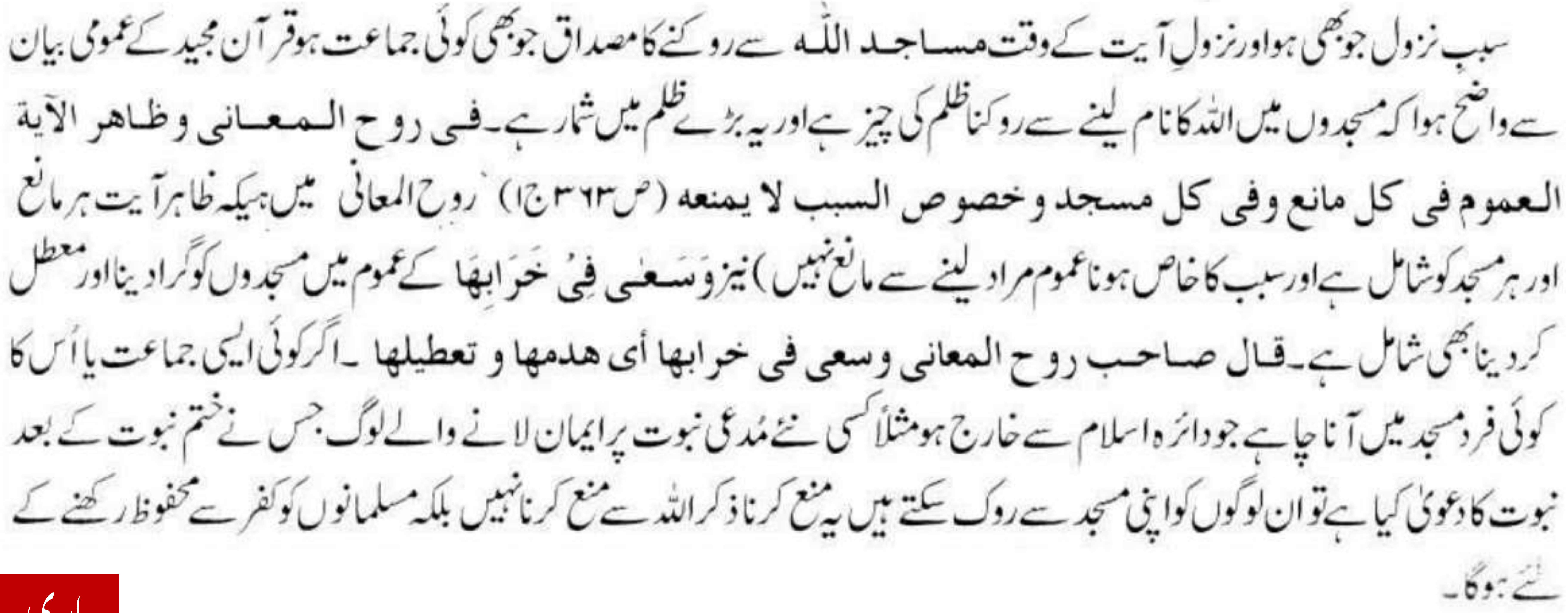

سببِ نزول جو بھی ہو اور نزولِ آیت کے وقت مساجد اللّٰہ سے روکنے کا مصداق جو بھی کوئی جماعت ہو قرآن مجید کے عمومی بیان سے واضح ہوا کہ مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ظلم کی چیز ہے اور یہ بڑے ظلم میں شمار ہے۔ فی روح المعانی وظاهر الآية العموم فی کل مانع وفی کل مسجد وخصوص السبب لا یمنعه (ص ۳۶۳ ج ۱) روح المعانی میں ہے کہ ظاہر آیت ہر مانع اور ہر مسجد کو شامل ہے اور سبب کا خاص ہونا عموم مراد لینے سے مانع نہیں) نیز وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا کے عموم میں مسجدوں کو گرا دینا اور معطل کر دینا بھی شامل ہے۔ قال صاحب روح المعانی وسعی فی خرابها أی هدمها و تعطیلها ۔ اگر کوئی ایسی جماعت یا اُس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہو مثلاً کسی نئے مُدعی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہوگا۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

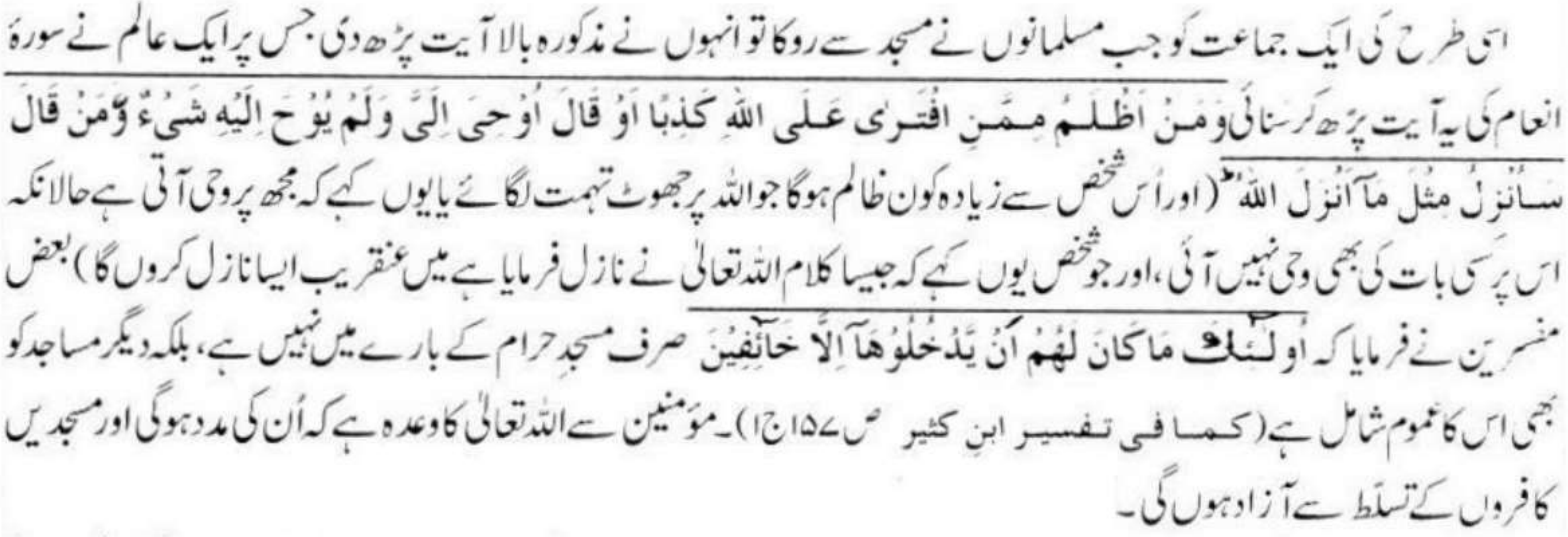

اسی طرح کی ایک جماعت کو جب مسلمانوں نے مسجد سے روکا تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھ دی جس پر ایک عالم نے سورۂ انعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ‘‘ (اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے میں عنقریب ایسا نازل کروں گا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ صرف مسجد حرام کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ دیگر مساجد کو بھی اس کا عموم شامل ہے (کما فی تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۷ ج ۱)۔ مؤمنین سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی مدد ہوگی اور مسجدیں کافروں کے تسلط سے آزاد ہوں گی۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

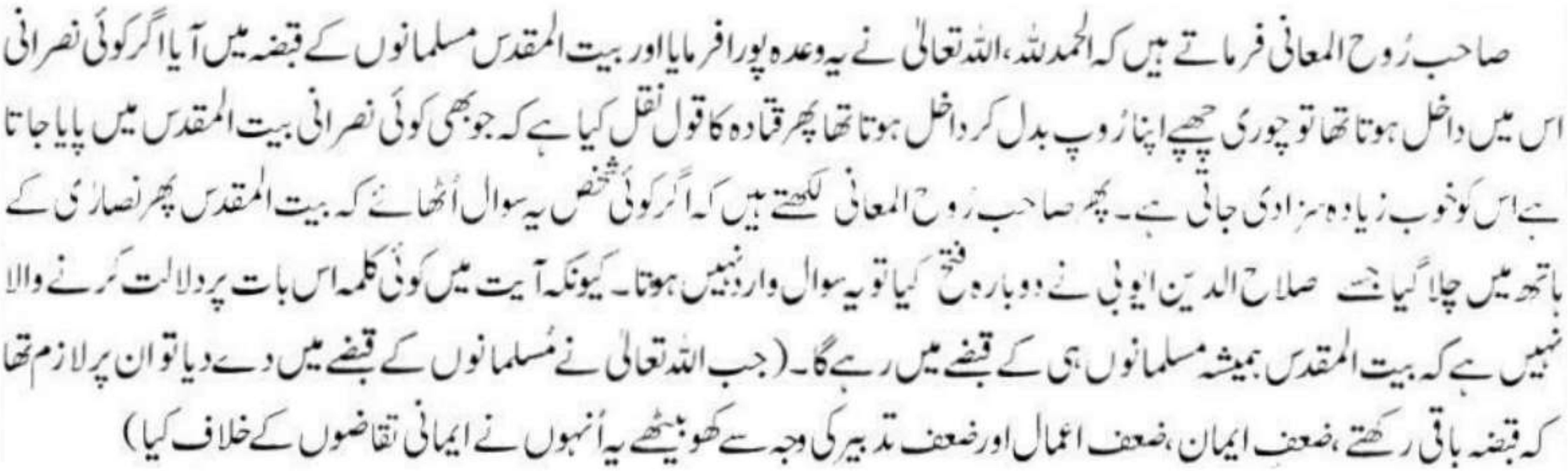

صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اگر کوئی نصرانی اس میں داخل ہوتا تھا تو چوری چھپے اپنا رُوپ بدل کر داخل ہوتا تھا پھر قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی کوئی نصرانی بیت المقدس میں پایا جاتا ہے اس کو خوب زیادہ سزا دی جاتی ہے۔ پھر صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال اُٹھائے کہ بیت المقدس پھر نصاریٰ کے ہاتھ میں چلا گیا جسے صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ فتح کیا تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیت میں کوئی کلمہ اس بات پر دلالت کرنے والا نہیں ہے کہ بیت المقدس ہمیشہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہے گا۔ (جب اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کے قبضے میں دے دیا تو ان پر لازم تھا کہ قبضہ باقی رکھتے، ضعف ایمان، ضعفِ اعمال اور ضعف تدبیر کی وجہ سے کھو بیٹھے یہ اُنہوں نے ایمانی تقاضوں کے خلاف کیا)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

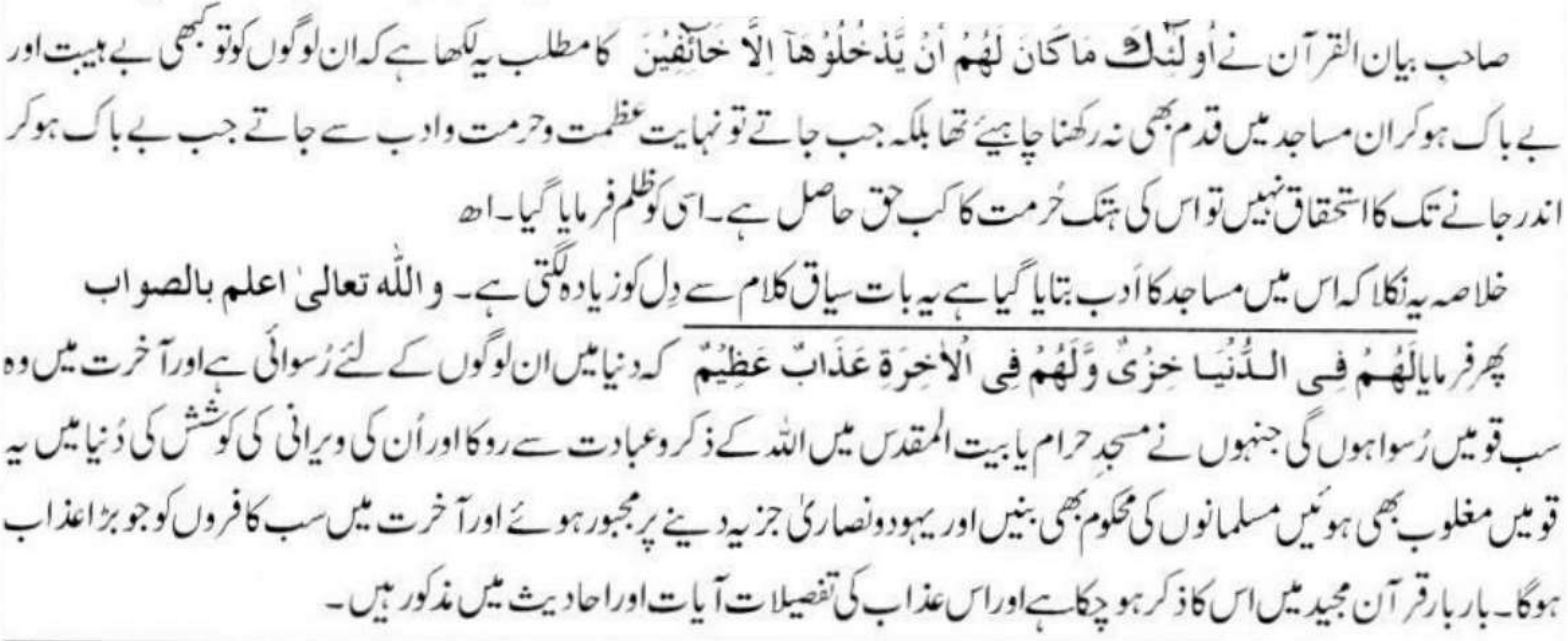

صاحب بیان القرآن نے اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک حُرمت کا کب حق حاصل ہے۔ اسی کو ظلم فرمایا گیا۔ اھ

خلاصہ یہ نکلا کہ اس میں مساجد کا اَدب بتایا گیا ہے یہ بات سیاق کلام سے دِل کو زیادہ لگتی ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

پھر فرمایا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ کہ دنیا میں ان لوگوں کے لئے رُسوائی ہے اور آخرت میں وہ سب قومیں رُسوا ہوں گی جنہوں نے مسجدِ حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر و عبادت سے روکا اور اُن کی ویرانی کی کوشش کی دُنیا میں یہ قومیں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی محکوم بھی بنیں اور یہود و نصاریٰ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۱۵)

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

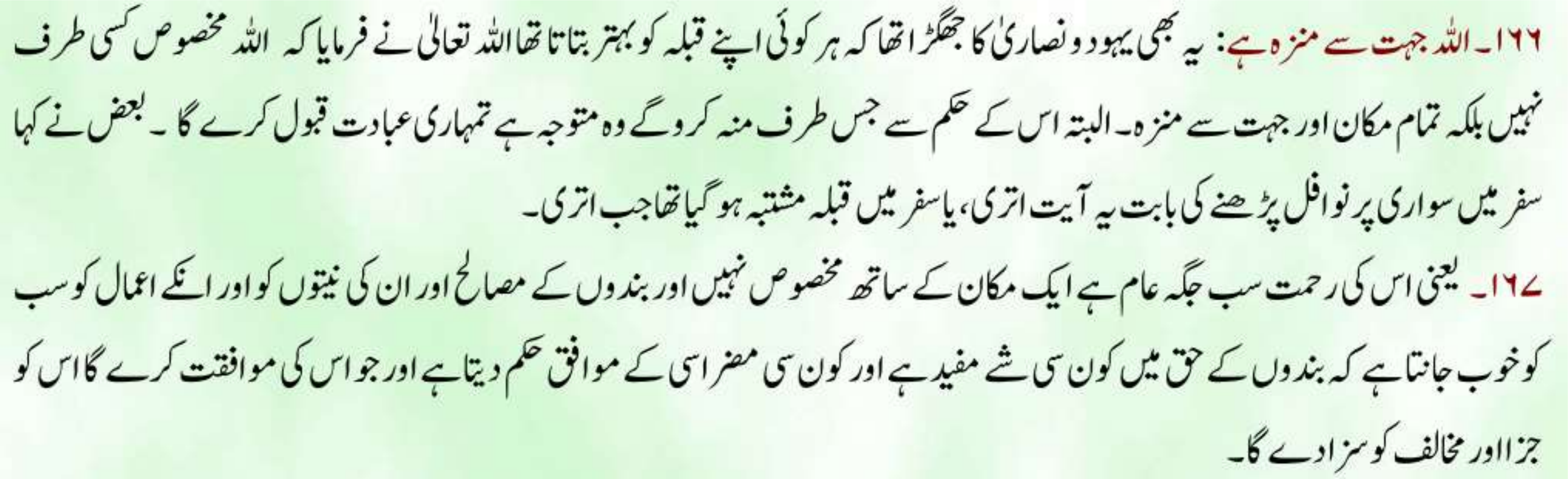

**۱۶۶۔ اللہ جہت سے منزہ ہے:** یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کسی طرف نہیں بلکہ تمام مکان اور جہت سے منزہ۔ البتہ اس کے حکم سے جس طرف منہ کروگے وہ متوجہ ہے تمہاری عبادت قبول کرے گا۔ بعض نے کہا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنے کی بابت یہ آیت اتری، یا سفر میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا جب اتری۔

**۱۶۷۔** یعنی اس کی رحمت سب جگہ عام ہے ایک مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اور بندوں کے مصالح اور ان کی نیتوں کو اور انکے اعمال کو سب کو خوب جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید ہے اور کون سی مضر اسی کے موافق حکم دیتا ہے اور جو اس کی موافقت کرے گا اس کو جزا اور مخالف کو سزا دے گا۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۷۵) اُوپر جن تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ایک اختلاف قبلے کا بھی تھا۔ اہلِ کتاب بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے تھے اور مشرکین بیت اللہ کو قبلہ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور یہ بات یہودیوں کو ناگوار تھی۔ ایک مختصر عرصے کے لئے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہودیوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دیکھو! مسلمان ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پھر دوبارہ بیت اللہ کو مستقل قبلہ بنا دیا گیا جس کی تفصیل اِن شاء اللہ اگلے پارے کے شروع میں آنے والی ہے۔ یہ آیت بظاہر اُس موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی سمت اپنی ذات میں کسی تقدس کی حامل نہیں۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اسی کی تابعِ فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رُخ

جاری ہے

### مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

کرنے کا حکم دیدے، بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں قبلے کی صحیح سمت پتہ نہ چل رہی ہو تو وہاں وہ اپنے اندازے سے جس سمت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر بعد میں پتہ چلے کہ جس رُخ پر نماز پڑھی ہے وہ صحیح رُخ نہیں تھا تب بھی نماز دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے حکم کی تعمیل کر لی۔ دراصل کسی بھی جگہ یا کسی بھی سمت میں اگر کوئی تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ قبلے کے تعین میں اپنے اَحکام بدل رہا ہے تو اس میں کسی فریق کی ہار جیت کا سوال نہیں۔ یہ تبدیلی یہی دِکھانے کے لئے آرہی ہے کہ کوئی سمت اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدے تو یہ بات نہ قابلِ تعجب ہونی چاہیے نہ قابلِ اعتراض۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

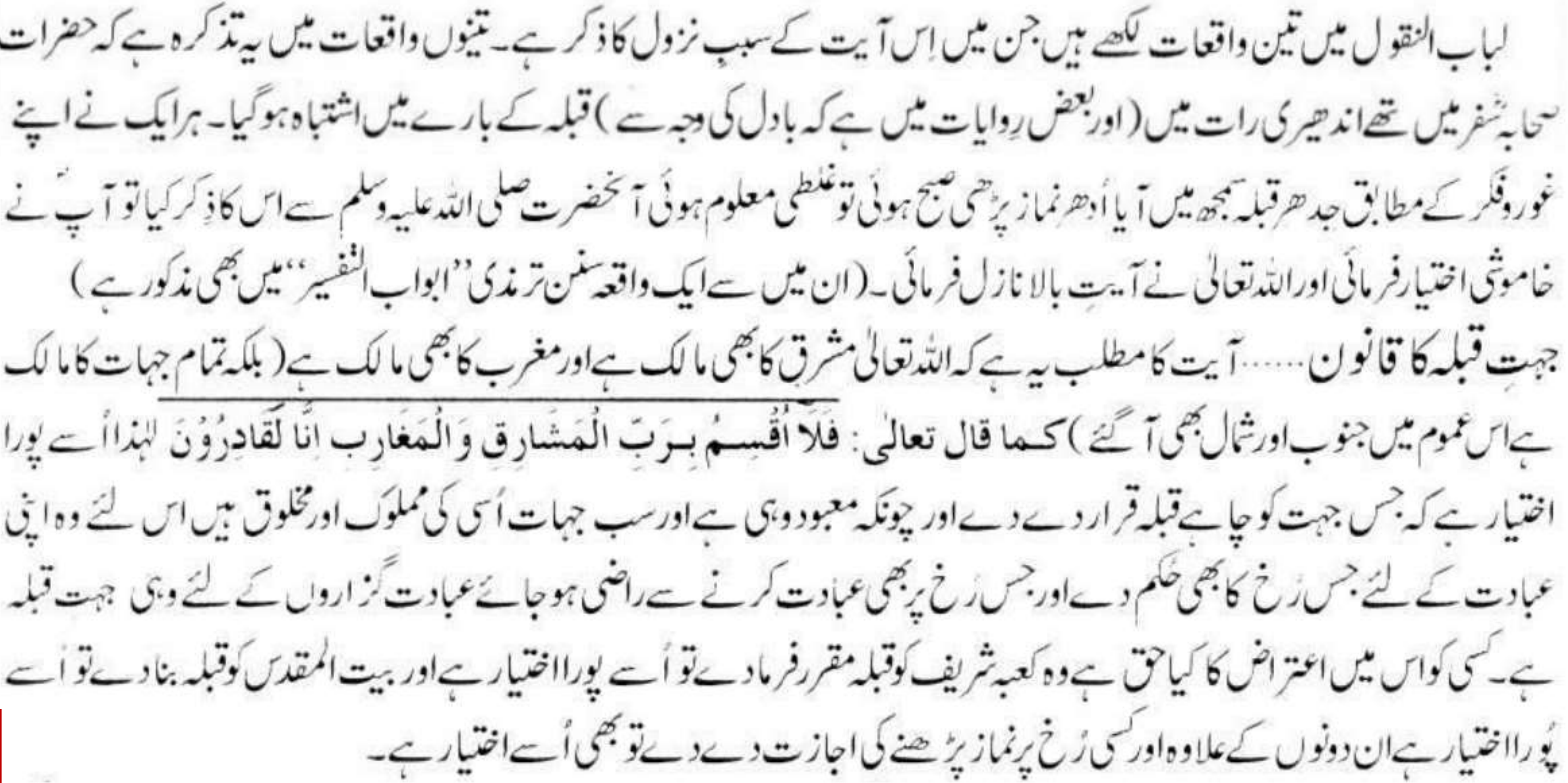

لباب النقول میں تین واقعات لکھے ہیں جن میں اِس آیت کے سببِ نزول کا ذکر ہے۔ تینوں واقعات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرات صحابہؓ سفر میں تھے اندھیری رات میں (اور بعض رِوایات میں ہے کہ بادل کی وجہ سے) قبلہ کے بارے میں اشتباہ ہوگیا۔ ہر ایک نے اپنے غور و فکر کے مطابق جدھر قبلہ سمجھ میں آیا اُدھر نماز پڑھی صبح ہوئی تو غلطی معلوم ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذِکر کیا تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آیتِ بالا نازل فرمائی۔ (ان میں سے ایک واقعہ سنن ترمذی "ابواب التفسیر" میں بھی مذکور ہے)

**جہتِ قبلہ کا قانون**...... آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے (بلکہ تمام جہات کا مالک ہے اس عموم میں جنوب اور شمال بھی آ گئے) کما قال تعالیٰ: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقَادِرُوْنَ لہٰذا اُسے پورا اختیار ہے کہ جس جہت کو چاہے قبلہ قرار دے دے اور چونکہ معبود وہی ہے اور سب جہات اُسی کی مملوک اور مخلوق ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت کے لئے جس رُخ کا بھی حکم دے اور جس رُخ پر بھی عبادت کرنے سے راضی ہو جائے عبادت گزاروں کے لئے وہی جہت قبلہ ہے۔ کسی کو اس میں اعتراض کا کیا حق ہے وہ کعبہ شریف کو قبلہ مقرر فرما دے تو اُسے پورا اختیار ہے اور بیت المقدس کو قبلہ بنا دے تو اُسے پُورا اختیار ہے ان دونوں کے علاوہ اور کسی رُخ پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو بھی اُسے اختیار ہے۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

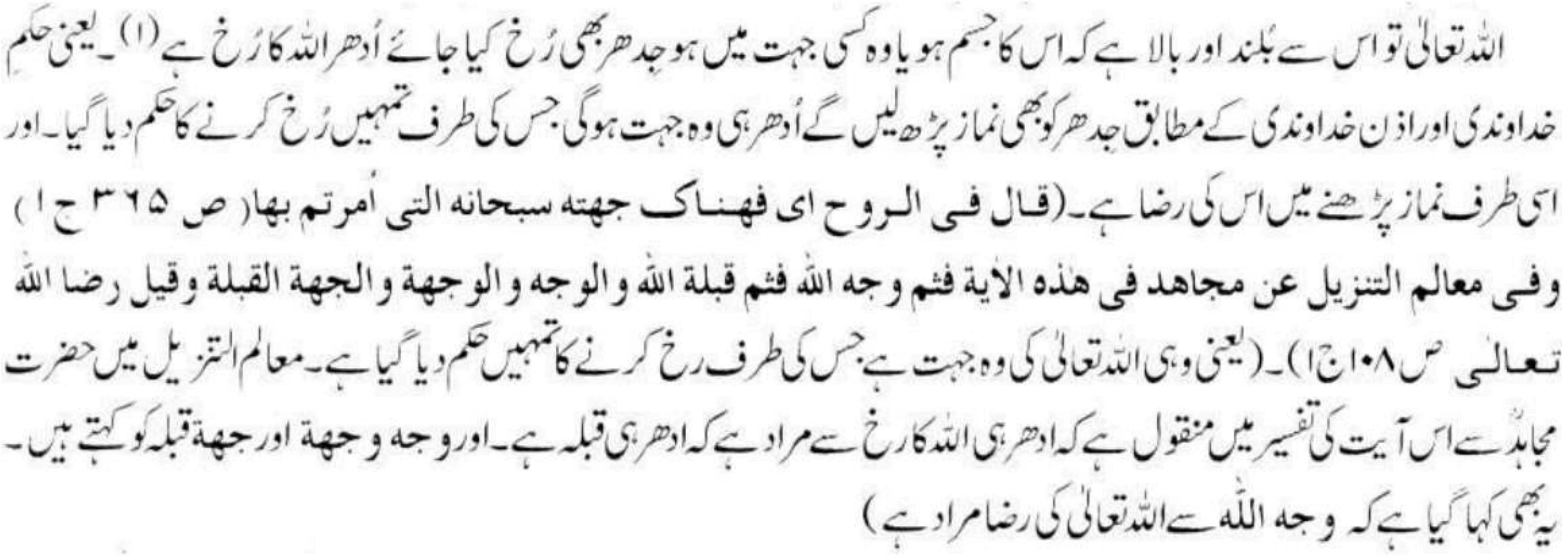

اللہ تعالیٰ تو اس سے بُلند اور بالا ہے کہ اس کا جسم ہو یا وہ کسی جہت میں ہو جِدھر بھی رُخ کیا جائے اُدھر اللہ کا رُخ ہے (۱)۔ یعنی حکم خداوندی اور اذن خداوندی کے مطابق جدھر کو بھی نماز پڑھ لیں گے اُدھر ہی وہ جہت ہوگی جس کی طرف تمہیں رُخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی طرف نماز پڑھنے میں اس کی رضا ہے۔ (قال فی الروح ای فهناک جهته سبحانه التی اُمرتم بها (ص ۳۶۵ ج ۱) وفی معالم التنزيل عن مجاهد فی هٰذه الاٰية فثم وجه اللّٰه فثم قبلة اللّٰه والوجه والوجهة والجهة القبلة وقيل رضا اللّٰه تعالٰی ص ۱۰۸ ج ۱)۔ (یعنی وہی اللہ تعالیٰ کی وہ جہت ہے جس کی طرف رخ کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ معالم التنزیل میں حضرت مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ ادھر ہی اللہ کا رخ سے مراد ہے کہ ادھر ہی قبلہ ہے۔ اور وجه و وجهة اور جهة قبلہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجه اللّٰه سے اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

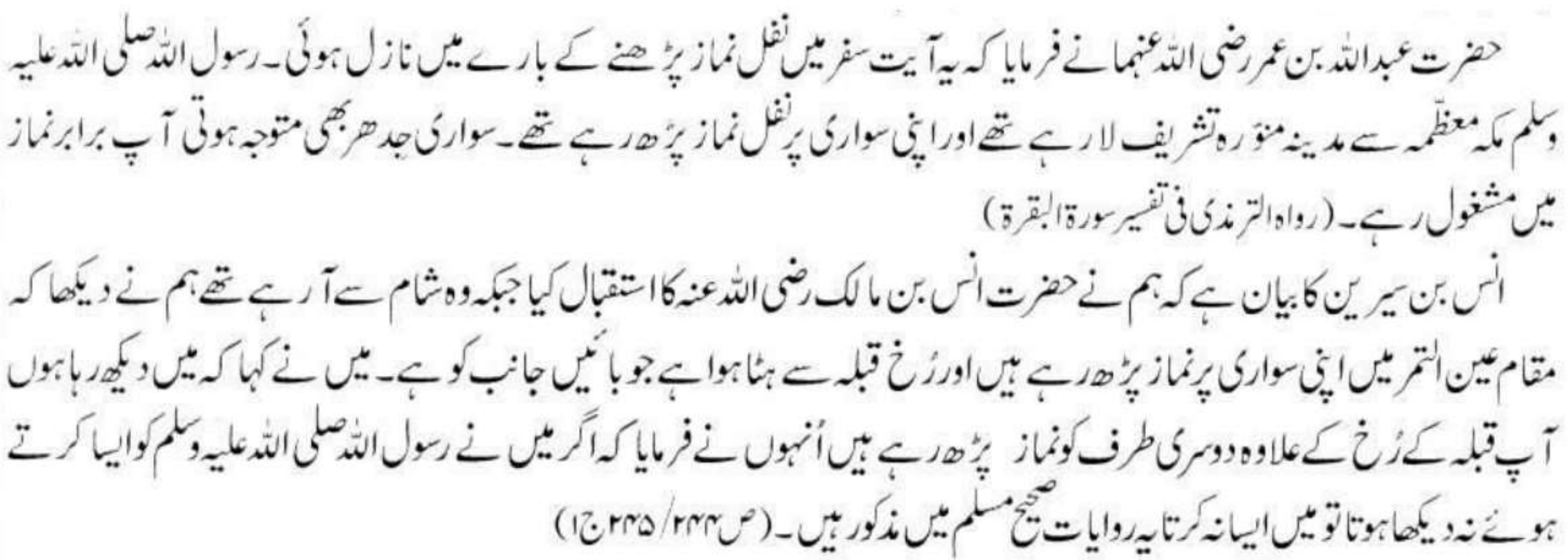

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے اور اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی آپ برابر نماز میں مشغول رہے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ البقرۃ)

انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے آ رہے تھے ہم نے دیکھا کہ مقام عین التمر میں اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے ہیں اور رُخ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے جو بائیں جانب کو ہے۔ میں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ قبلہ کے رُخ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا یہ روایات صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔ (ص۲۴۴/۲۴۵ ج۱)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

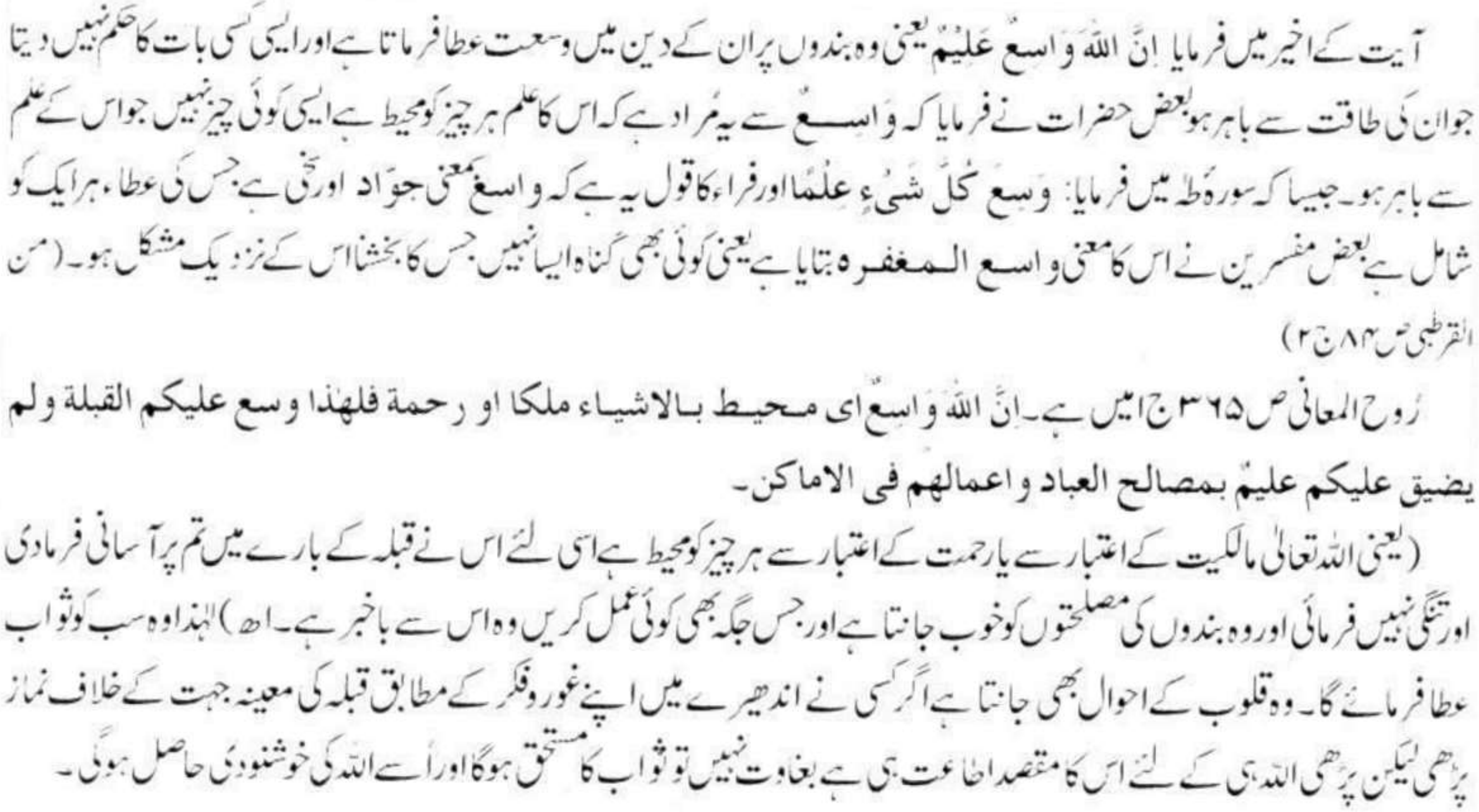

آیت کے اخیر میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یعنی وہ بندوں پر ان کے دین میں وسعت عطا فرماتا ہے اور ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیتا جو ان کی طاقت سے باہر ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ وَاسِعٌ سے یہ مُراد ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اور فراء کا قول یہ ہے کہ واسع بمعنی جوّاد اور سخی ہے جس کی عطاء ہر ایک کو شامل ہے بعض مفسرین نے اس کا معنی واسع المغفرہ بتایا ہے یعنی کوئی بھی گناہ ایسا نہیں جس کا بخشنا اس کے نزدیک مشکل ہو۔ (من القرطبی ص ۸۴ ج ۲)

روح المعانی ص ۳۶۵ ج ۱ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ ای محیط بالاشیاء ملکا او رحمة فلهذا وسع علیکم القبلة ولم یضیق علیکم علیمٌ بمصالح العباد واعمالهم فی الاماکن۔

(یعنی اللہ تعالیٰ مالکیت کے اعتبار سے یا رحمت کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے اسی لئے اس نے قبلہ کے بارے میں تم پر آسانی فرما دی اور تنگی نہیں فرمائی اور وہ بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی عمل کریں وہ اس سے باخبر ہے۔ اھ) لہٰذا وہ سب کو ثواب عطا فرمائے گا۔ وہ قلوب کے احوال بھی جانتا ہے اگر کسی نے اندھیرے میں اپنے غور و فکر کے مطابق قبلہ کی معینہ جہت کے خلاف نماز پڑھی لیکن پڑھی اللہ ہی کے لئے اس کا مقصد اطاعت ہی ہے بغاوت نہیں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اُسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

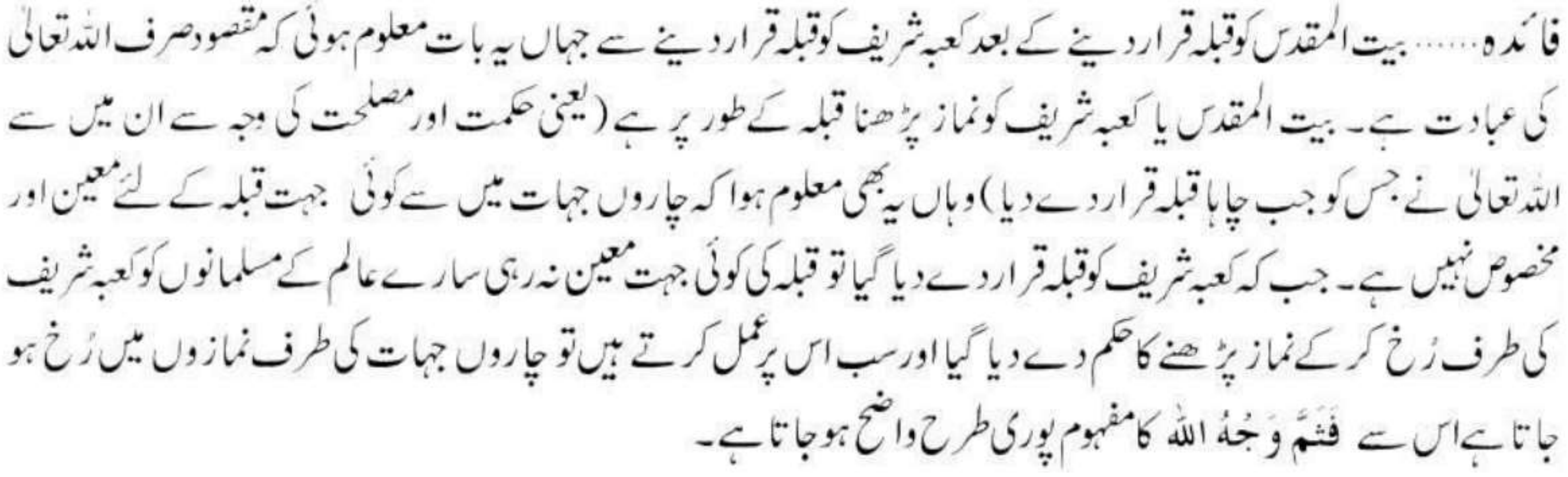

فائدہ...... بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کے بعد کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینے سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ بیت المقدس یا کعبہ شریف کو نماز پڑھنا قبلہ کے طور پر ہے (یعنی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے جس کو جب چاہا قبلہ قرار دے دیا) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ چاروں جہات میں سے کوئی جہت قبلہ کے لئے معین اور مخصوص نہیں ہے۔ جب کہ کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو قبلہ کی کوئی جہت معین نہ رہی سارے عالم کے مسلمانوں کو کعبہ شریف کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا اور سب اس پر عمل کرتے ہیں تو چاروں جہات کی طرف نمازوں میں رُخ ہو جاتا ہے اس سے فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

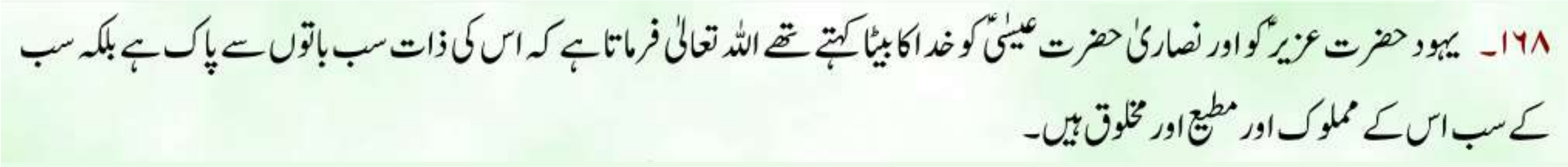

۱۶۸۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات سب باتوں سے پاک ہے بلکہ سب کے سب اس کے مملوک اور مطیع اور مخلوق ہیں۔

## مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٧٦) عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہی ہیں۔ بعض یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکینِ مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہو سکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، اور اسے کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اولاد کا محتاج کیوں ہو؟ اسی دلیل کو اگر منطقی پیرائے میں بیان کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کہ اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے، اور ہر کُل اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر اِحتیاج سے پاک ہے اس لئے اس کی ذات بسیط ہے جسے کسی جزء کی حاجت نہیں۔ لہٰذا اس کی طرف اولاد منسوب کرنا اسے محتاج قرار دینے کے مرادف ہے۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

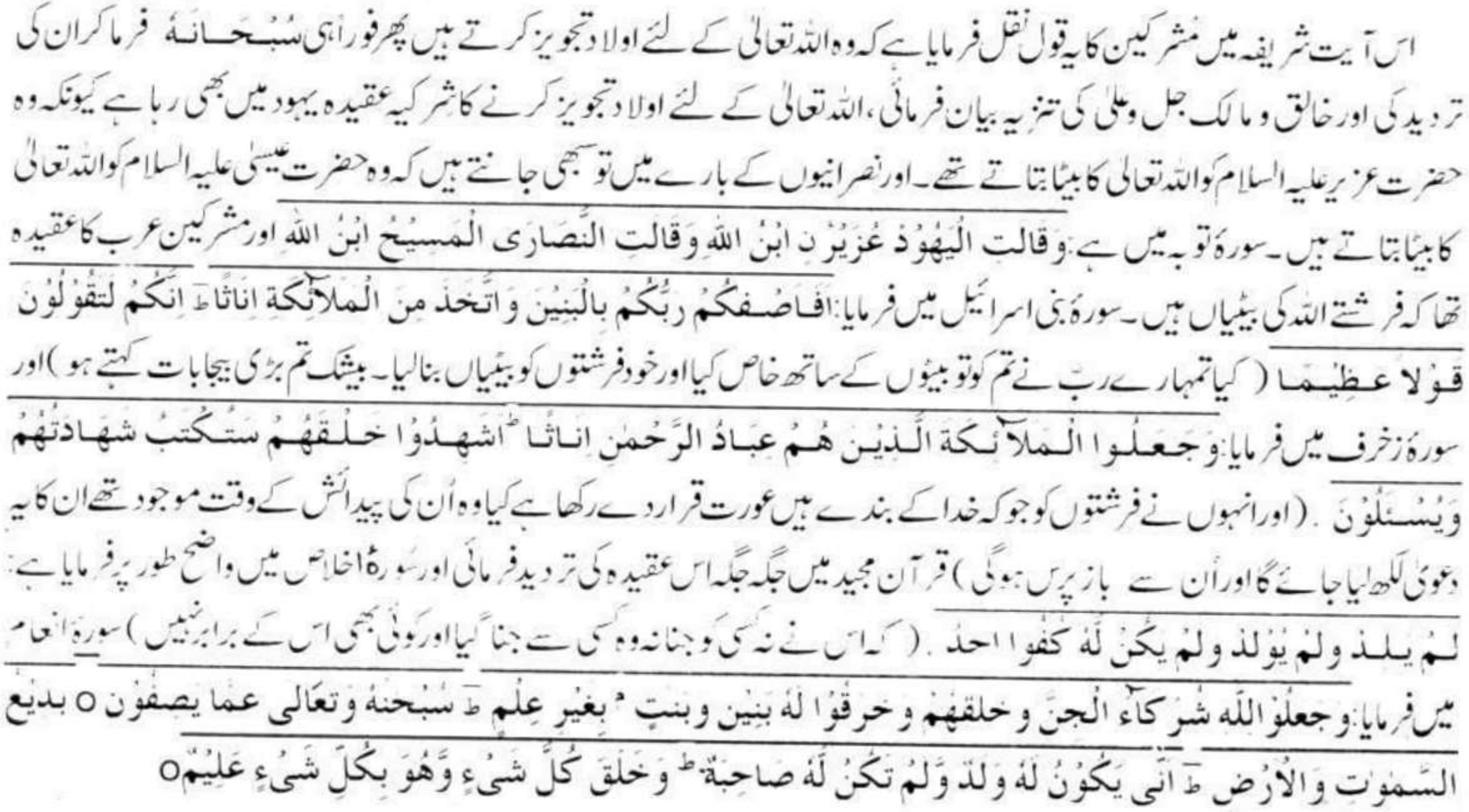

اس آیت شریفہ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر فوراہی سُبْحَانَهٗ فرما کر ان کی تردید کی اور خالق و مالک جل وعلیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہود میں بھی رہا ہے کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے۔ اور نصرانیوں کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ہے: وَقالتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللهِ وَقالتِ النَّصارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا۔ بیشک تم بڑی بیجا بات کہتے ہو) اور سورۂ زخرف میں فرمایا: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ. (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا وہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا اور اُن سے باز پرس ہوگی) قرآن مجید میں جگہ جگہ اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور سورۂ اخلاص میں واضح طور پر فرمایا ہے: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. (کہ اس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں) سورۂ انعام میں فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

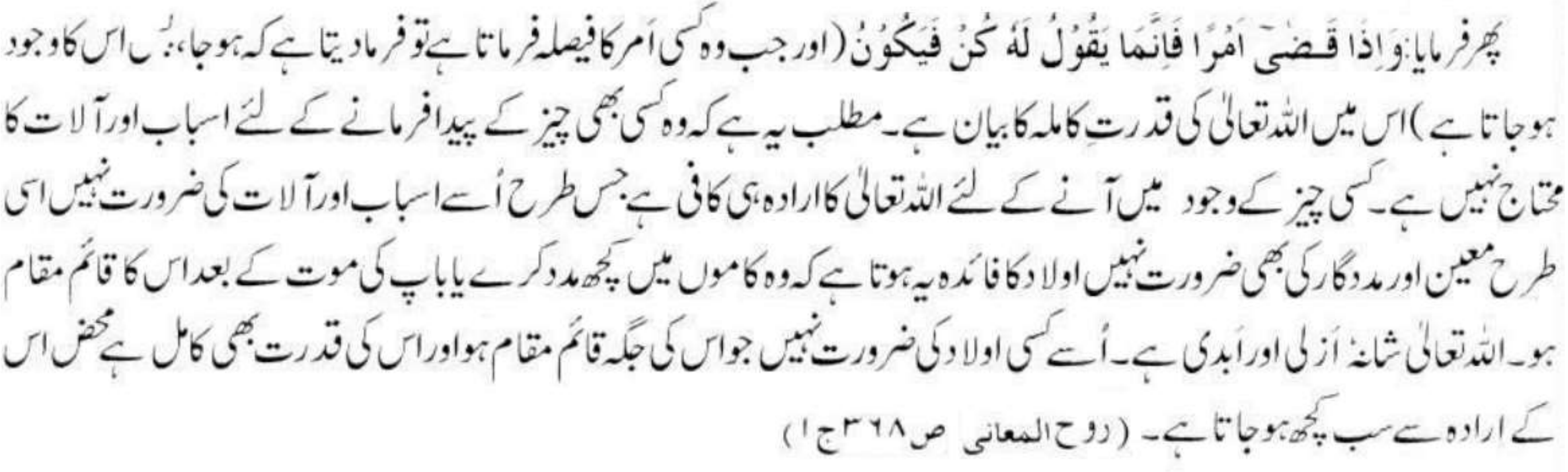

پھر فرمایا: وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (اور جب وہ کسی اَمر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا، بس اس کا وجود ہو جاتا ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کے لئے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے۔ جس طرح اُسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں اولاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اَزلی اور اَبدی ہے۔ اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں جو اس کی جگہ قائم مقام ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہے محض اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی ص ۳۶۸ ج ۱)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

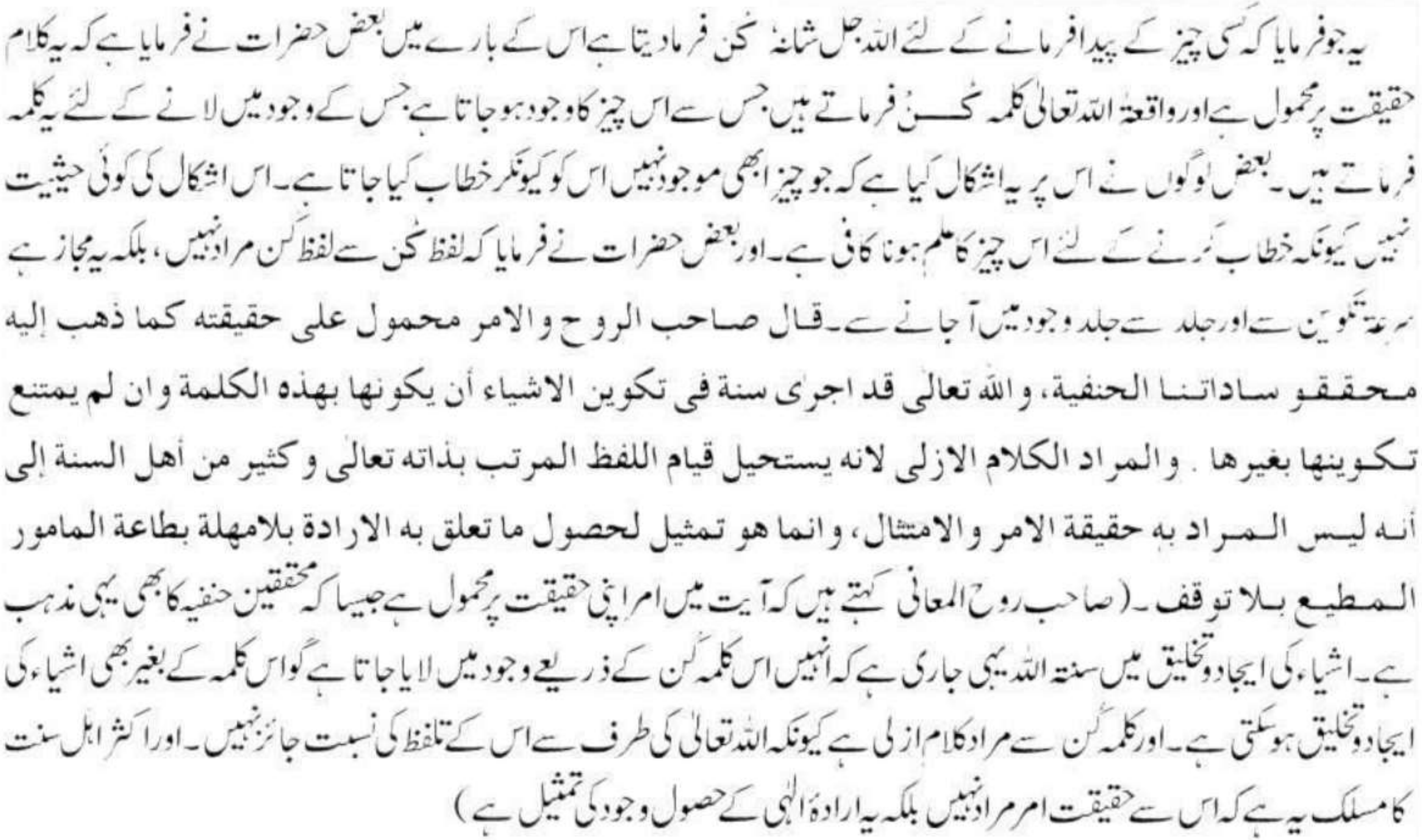

یہ جو فرمایا کہ کسی چیز کے پیدا فرمانے کے لئے اللہ جل شانہٗ کُن فرما دیتا ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور واقعۃً اللہ تعالیٰ کلمہ کُن فرماتے ہیں جس سے اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کے وجود میں لانے کے لئے یہ کلمہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں اس کو کیونکر خطاب کیا جاتا ہے۔ اس اشکال کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ خطاب کرنے کے لئے اس چیز کا علم ہونا کافی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ کُن سے لفظ کُن مراد نہیں، بلکہ یہ مجاز ہے سرعتِ تکوین سے اور جلد سے جلد وجود میں آجاتی ہے۔ قال صاحب الروح والامر محمول علی حقيقته كما ذهب إليه محققو ساداتنا الحنفية، والله تعالیٰ قد اجری سنة فی تكوين الاشياء أن يكونها بهذه الكلمة وان لم يمتنع تكوينها بغيرها . والمراد الكلام الازلی لانه يستحيل قيام اللفظ المرتب بذاته تعالیٰ وكثير من أهل السنة إلى أنه ليس المراد به حقيقة الامر والامتثال، وانما هو تمثيل لحصول ما تعلق به الارادة بلامهلة بطاعة المامور المطيع بلا توقف۔ (صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ آیت میں امر اپنی حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ محققین حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اشیاء کی ایجاد و تخلیق میں سنۃ اللہ یہی جاری ہے کہ انہیں اس کلمہ کُن کے ذریعے وجود میں لایا جاتا ہے گو اس کلمہ کے بغیر بھی اشیاء کی ایجاد و تخلیق ہو سکتی ہے۔ اور کلمہ کُن سے مراد کلام ازلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے تلفظ کی نسبت جائز نہیں۔ اور اکثر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس سے حقیقت امر مراد نہیں بلکہ یہ ارادۂ الٰہی کے حصول وجود کی تمثیل ہے)

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

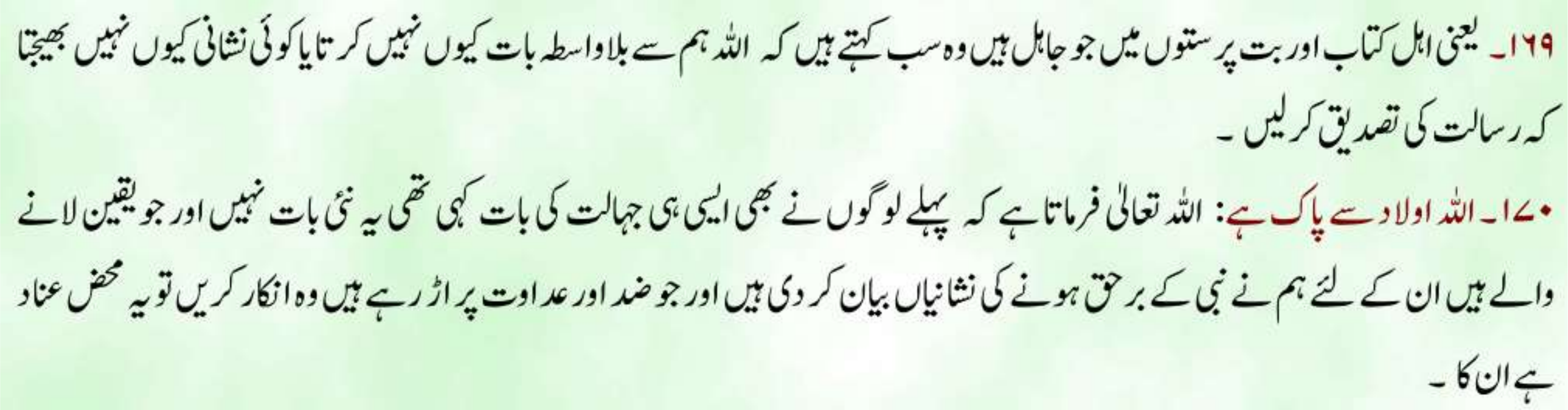

۱۶۹۔ یعنی اہل کتاب اور بت پرستوں میں جو جاہل ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بلاواسطہ بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا کہ رسالت کی تصدیق کرلیں ۔

**۱۷۰۔ اللہ اولاد سے پاک ہے:** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی جہالت کی بات کہی تھی یہ نئی بات نہیں اور جو یقین لانے والے ہیں ان کے لئے ہم نے نبی کے برحق ہونے کی نشانیاں بیان کردی ہیں اور جو ضد اور عداوت پر اڑ رہے ہیں وہ انکار کریں تو یہ محض عناد ہے ان کا ۔

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

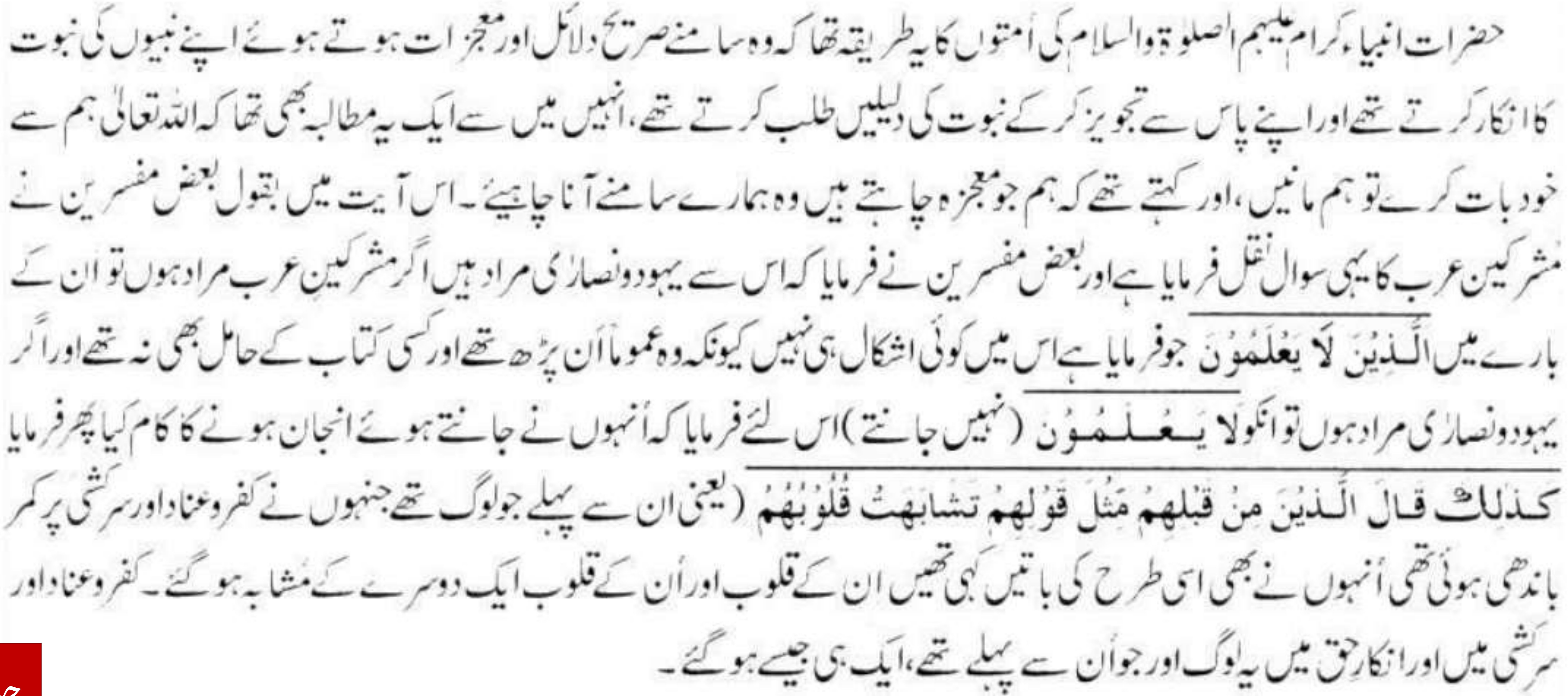

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سامنے صریح دلائل اور معجزات ہوتے ہوئے اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور اپنے پاس سے تجویز کر کے نبوت کی دلیلیں طلب کرتے تھے، انہیں میں سے ایک یہ مطالبہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کرے تو ہم مانیں، اور کہتے تھے کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ہمارے سامنے آنا چاہیئے۔ اس آیت میں بقول بعض مفسرین نے مُشرکین عرب کا یہی سوال نقل فرمایا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اگر مشرکینِ عرب مراد ہوں تو ان کے بارے میں اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ جو فرمایا ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ وہ عموماً اَن پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں تو انکو لَا یَعْلَمُوْنَ (نہیں جانتے) اس لئے فرمایا کہ اُنہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا پھر فرمایا کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (یعنی ان سے پہلے جو لوگ تھے جنہوں نے کفر و عناد اور سرکشی پر کمر باندھی ہوئی تھی اُنہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کہی تھیں ان کے قلوب اور اُن کے قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔ کفر و عناد اور سرکشی میں اور انکارِ حق میں یہ لوگ اور جو اُن سے پہلے تھے، ایک ہی جیسے ہو گئے۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

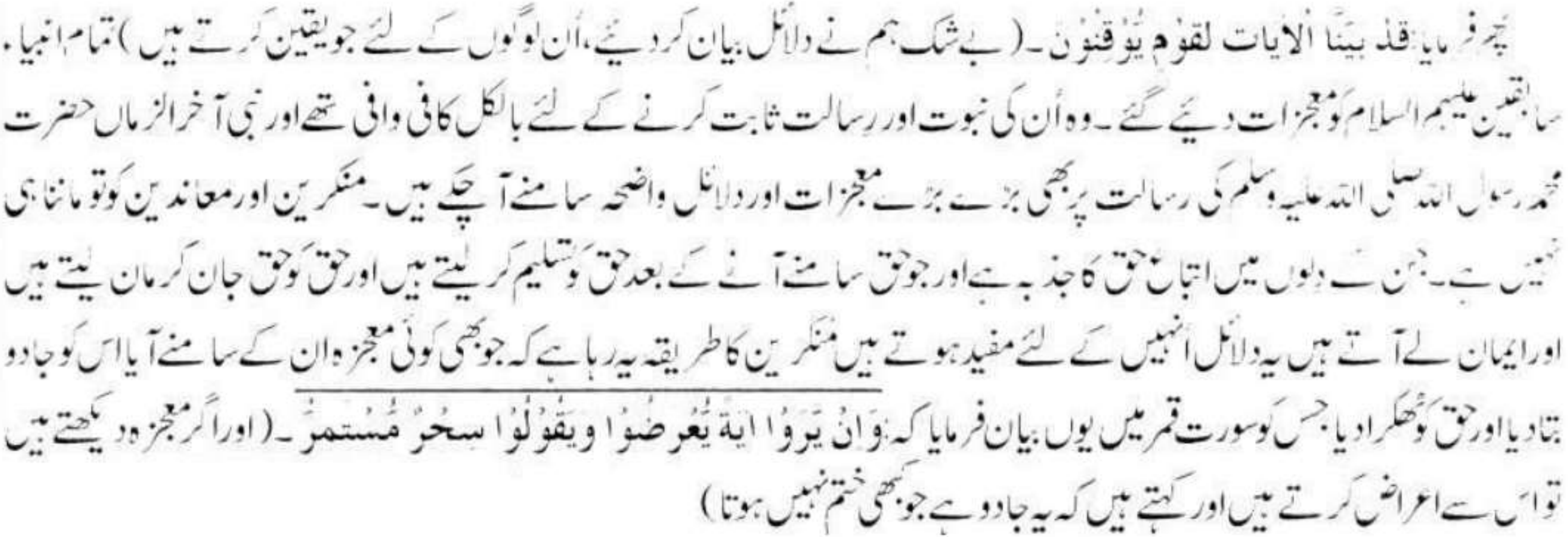

پھر فرمایا: قد بینّا الایات لقوم یّوقنون۔ (بے شک ہم نے دلائل بیان کر دیئے، اُن لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں) تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کو معجزات دیئے گئے۔ وہ اُن کی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی وافی تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضحہ سامنے آ چکے ہیں۔ منکرین اور معاندین کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں اتباعِ حق کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں یہ دلائل اُنہیں کے لئے مفید ہوتے ہیں منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتادیا اور حق کو ٹھکرا دیا جس کو سورت قمر میں یوں بیان فرمایا کہ: وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا)

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

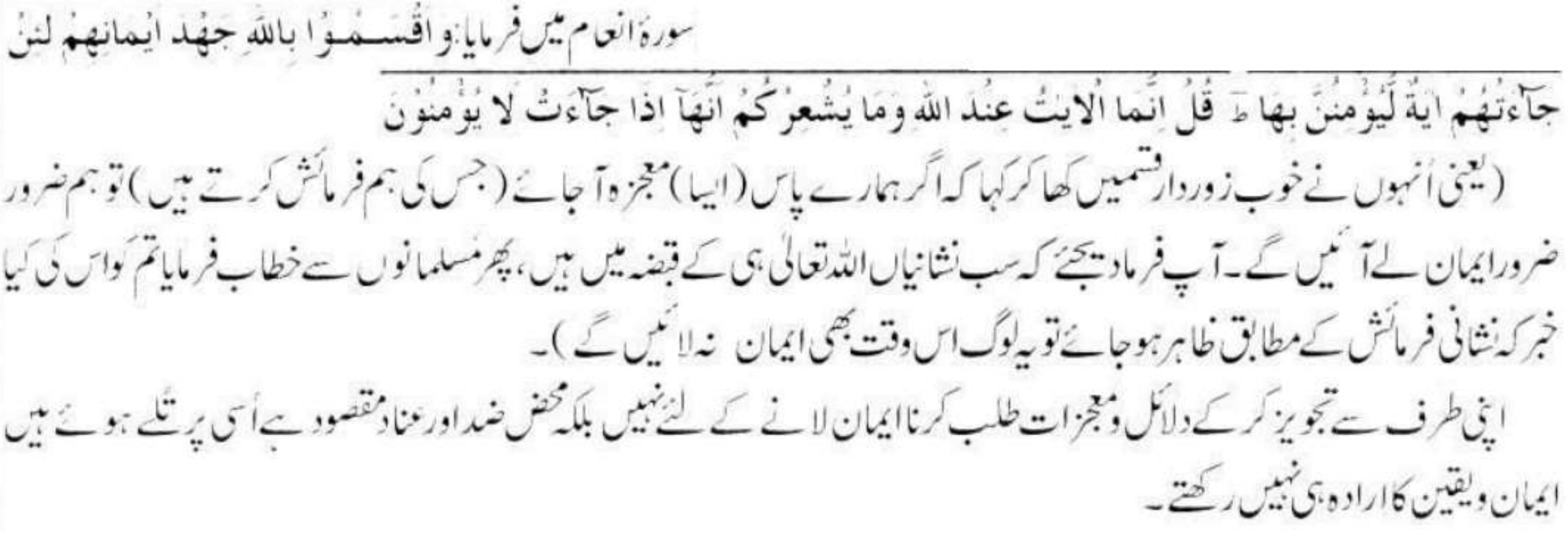

سورۂ انعام میں فرمایا: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ط قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ

(یعنی اُنہوں نے خوب زوردار قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) معجزہ آجائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں، پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اس کی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے)۔

اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و معجزات طلب کرنا ایمان لانے کے لئے نہیں بلکہ محض ضد اور عناد مقصود ہے اُسی پر تلے ہوئے ہیں ایمان و یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿١١٩﴾

## شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

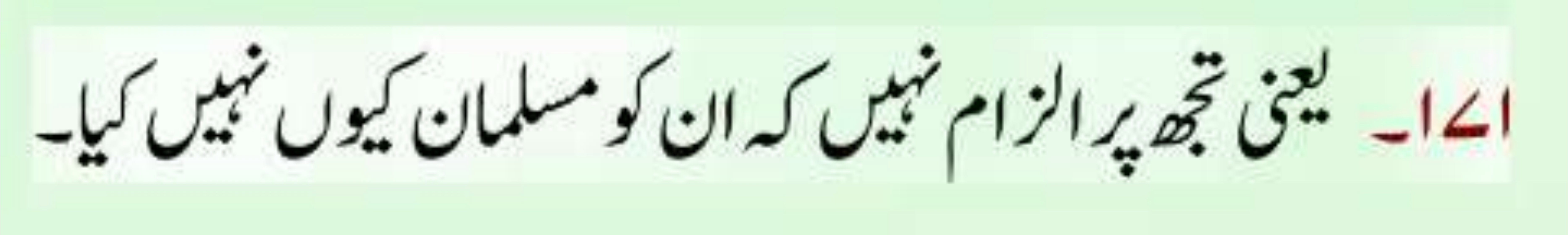

۱۷۔ یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

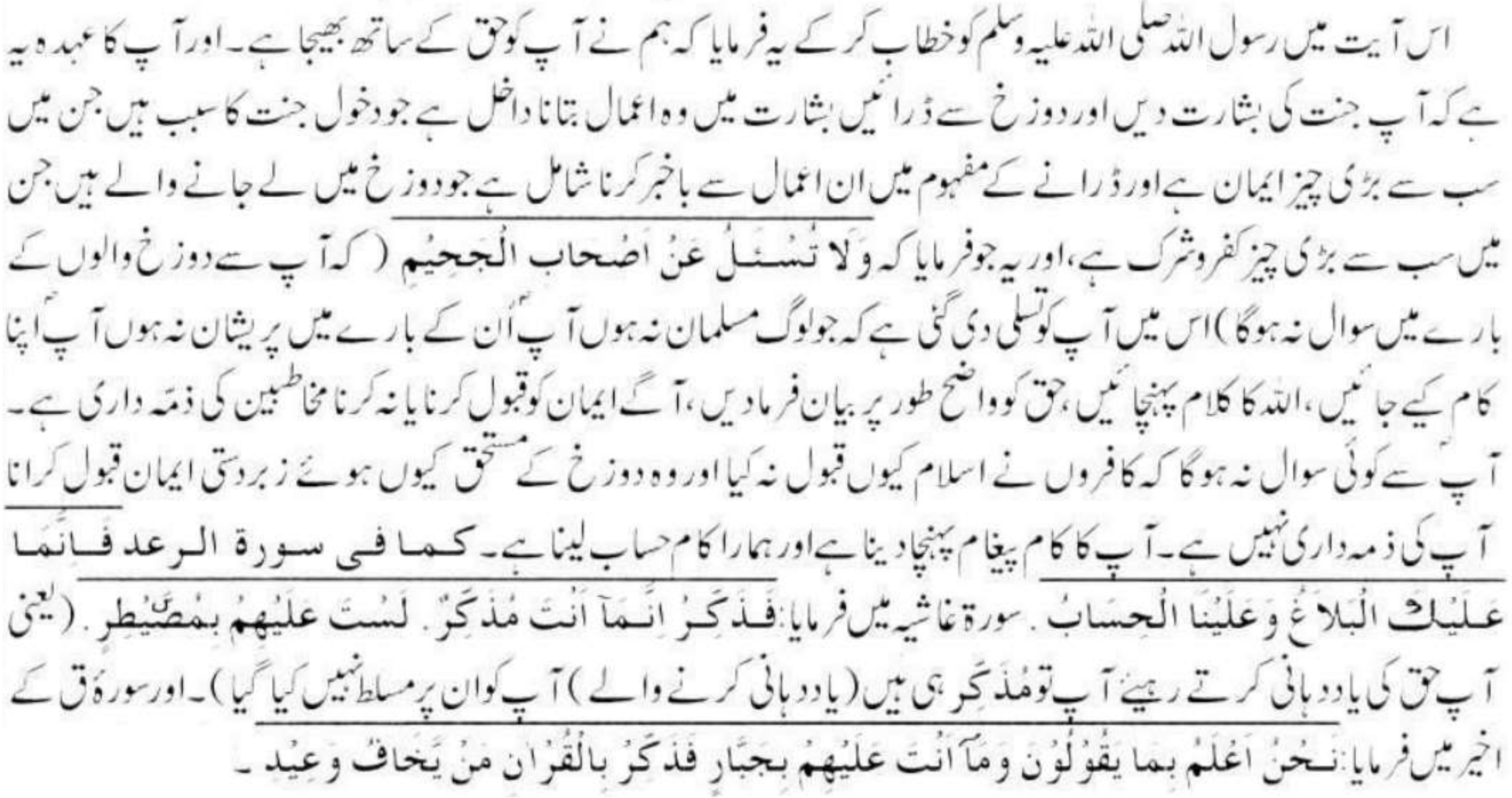

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپ کا عہدہ یہ ہے کہ آپ جنت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈرائیں بشارت میں وہ اعمال بتانا داخل ہے جو دخول جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور ڈرانے کے مفہوم میں ان اعمال سے باخبر کرنا شامل ہے جو دوزخ میں لے جانے والے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر و شرک ہے، اور یہ جو فرمایا کہ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (کہ آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ اُن کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کیے جائیں، اللہ کا کلام پہنچائیں، حق کو واضح طور پر بیان فرمادیں، آگے ایمان کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے۔ آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا اور وہ دوزخ کے مستحق کیوں ہوئے زبردستی ایمان قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ کما فی سورۃ الرعد فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. سورۃ غاشیہ میں فرمایا: فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ. (یعنی آپ حق کی یاددہانی کرتے رہیئے آپ تو مُذَکِّر ہی ہیں (یاددہانی کرنے والے) آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا)۔ اور سورۂ ق کے اخیر میں فرمایا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

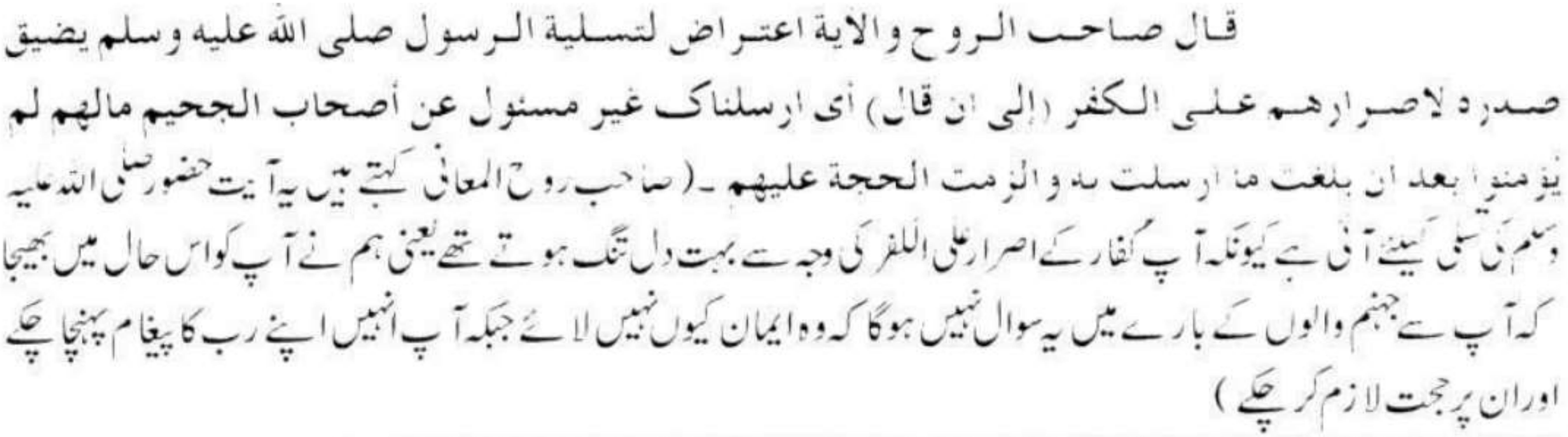

قال صاحب الروح والاية اعتراض لتسلية الرسول صلى الله عليه وسلم يضيق صدره لاصرارهم على الكفر (إلى ان قال) أى ارسلناك غير مسئول عن أصحاب الجحيم مالهم لم يؤمنوا بعد ان بلغت ما ارسلت به والزمت الحجة عليهم ۔ (صاحب روح المعانی کہتے ہیں یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے آئی ہے کیونکہ آپ کفار کے اصرار علی الکفر کی وجہ سے بہت دل تنگ ہوتے تھے یعنی ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا کہ آپ سے جہنم والوں کے بارے میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے جبکہ آپ انہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکے اوران پر حجت لازم کر چکے )

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ
الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

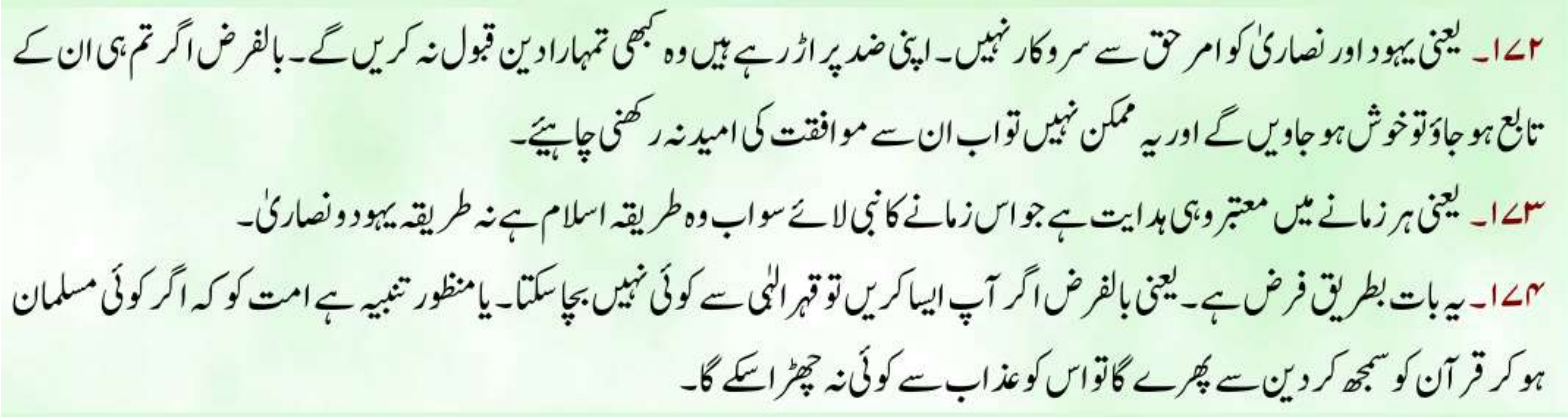

۱۷۲۔ یعنی یہود اور نصاریٰ کو امر حق سے سروکار نہیں۔ اپنی ضد پر اڑ رہے ہیں وہ کبھی تمہارا دین قبول نہ کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی ان کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جاویں گے اور یہ ممکن نہیں تو اب ان سے موافقت کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔

۱۷۳۔ یعنی ہر زمانے میں معتبر وہی ہدایت ہے جو اس زمانے کا نبی لائے سو اب وہ طریقہ اسلام ہے نہ طریقہ یہود و نصاریٰ۔

۱۷۴۔ یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپ ایسا کریں تو قہر الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے امت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھرے گا تو اس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکے گا۔

# مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

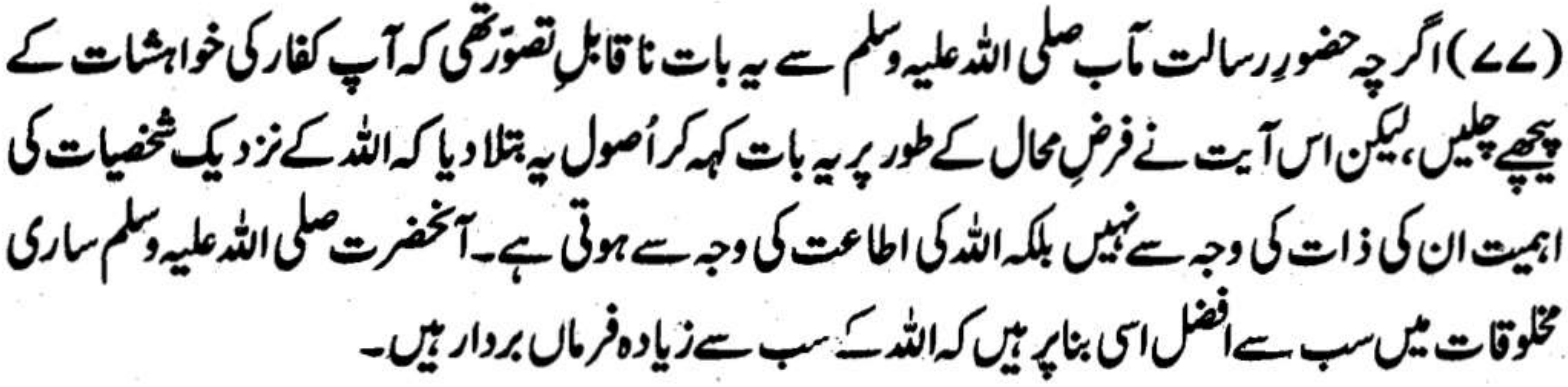

(۷۷) اگرچہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ناقابلِ تصور تھی کہ آپ کفار کی خواہشات کے پیچھے چلیں، لیکن اس آیت نے فرضِ محال کے طور پر یہ بات کہہ کر اُصول یہ بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک شخصیات کی اہمیت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل اسی بنا پر ہیں کہ اللہ کے سب سے زیادہ فرماں بردار ہیں۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

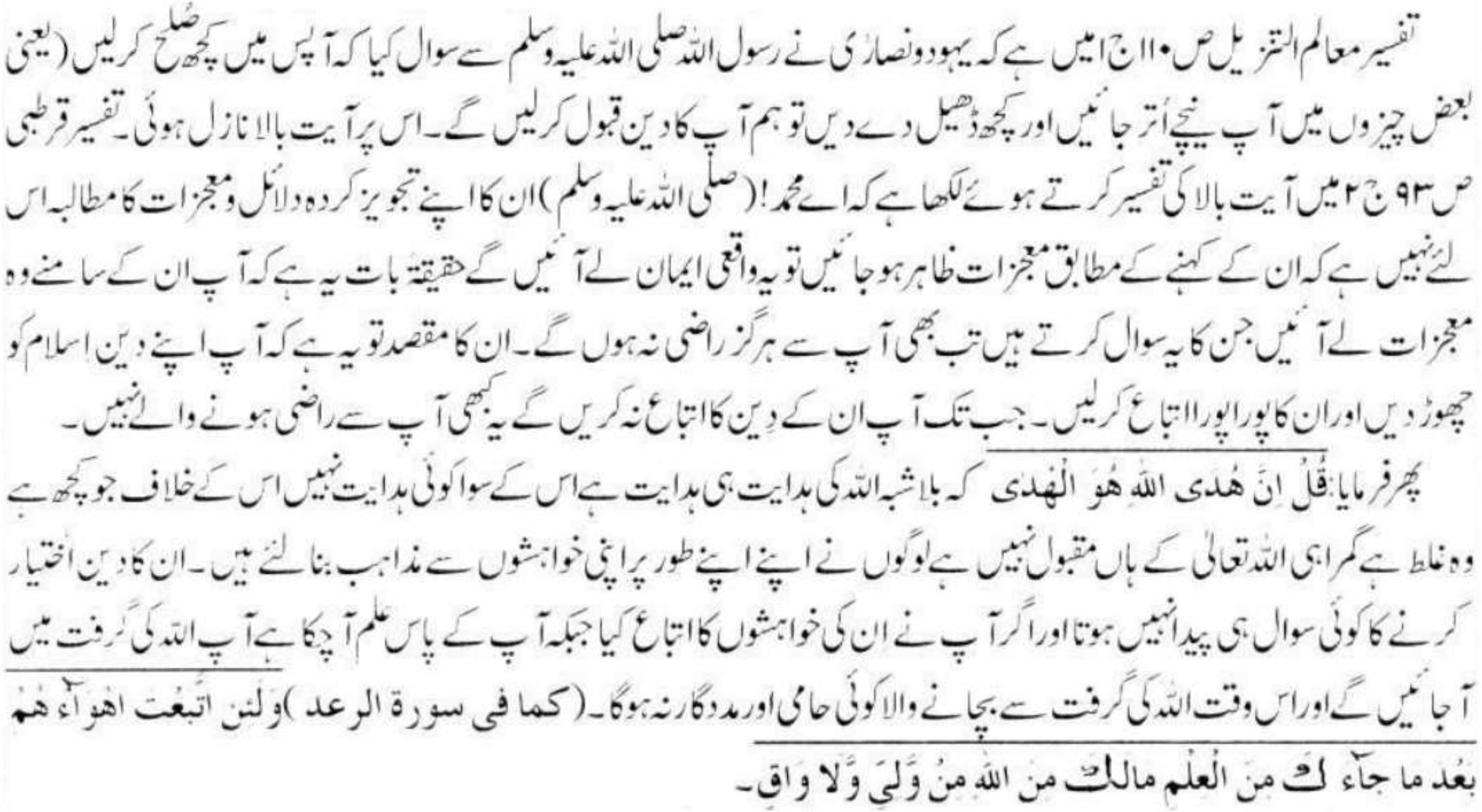

تفسیر معالم التنزیل ص ۱۱۰ ج ۱ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ صُلح کرلیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اُتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کرلیں گے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے حقیقۃ بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کرلیں۔ جب تک آپ ان کے دِین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونے والے نہیں۔

پھر فرمایا: قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہشوں سے مذاہب بنا لئے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے آپ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔ (کما فی سورۃ الرعد) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

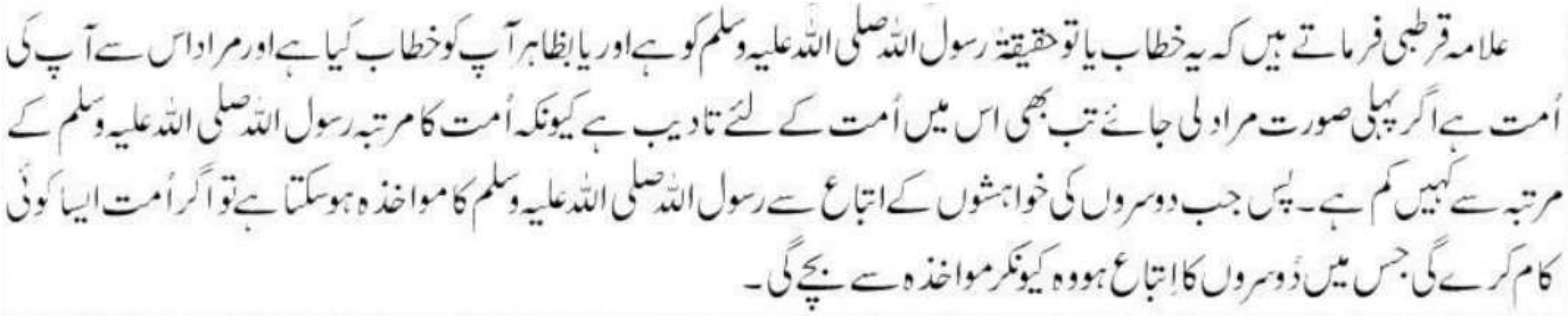

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی اُمت ہے اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں اُمت کے لئے تادیب ہے کیونکہ اُمت کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ سے کہیں کم ہے۔ پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مواخذہ ہو سکتا ہے تو اگر اُمت ایسا کوئی کام کرے گی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

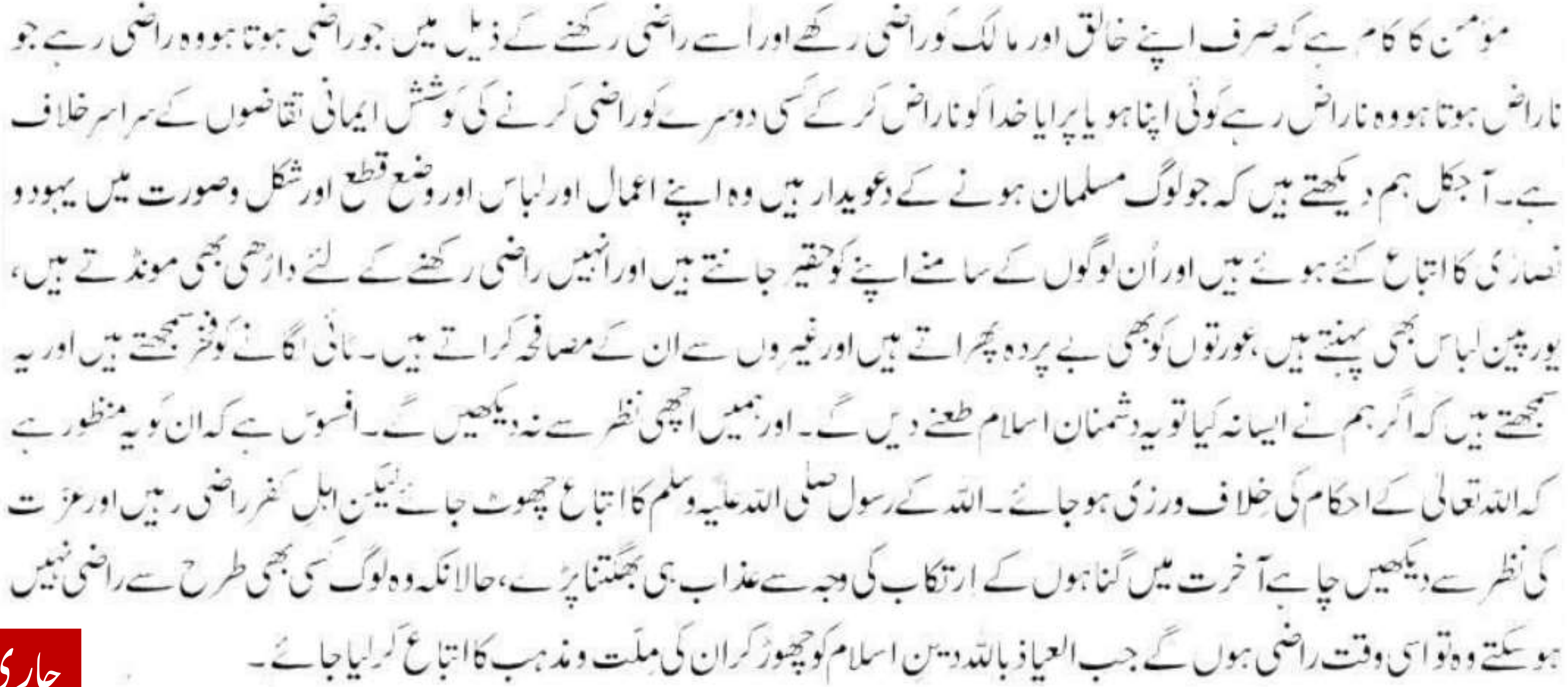

مومن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہو یا پرایا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنے اعمال اور لباس اور وضع قطع اور شکل وصورت میں یہود و نصاریٰ کا اتباع کئے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں اور انہیں راضی رکھنے کے لئے داڑھی بھی مونڈتے ہیں، یورپین لباس بھی پہنتے ہیں، عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں۔ ناچ گانے کو فخر سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنان اسلام طعنے دیں گے۔ اور ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہلِ کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب ہی بھگتنا پڑے، حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

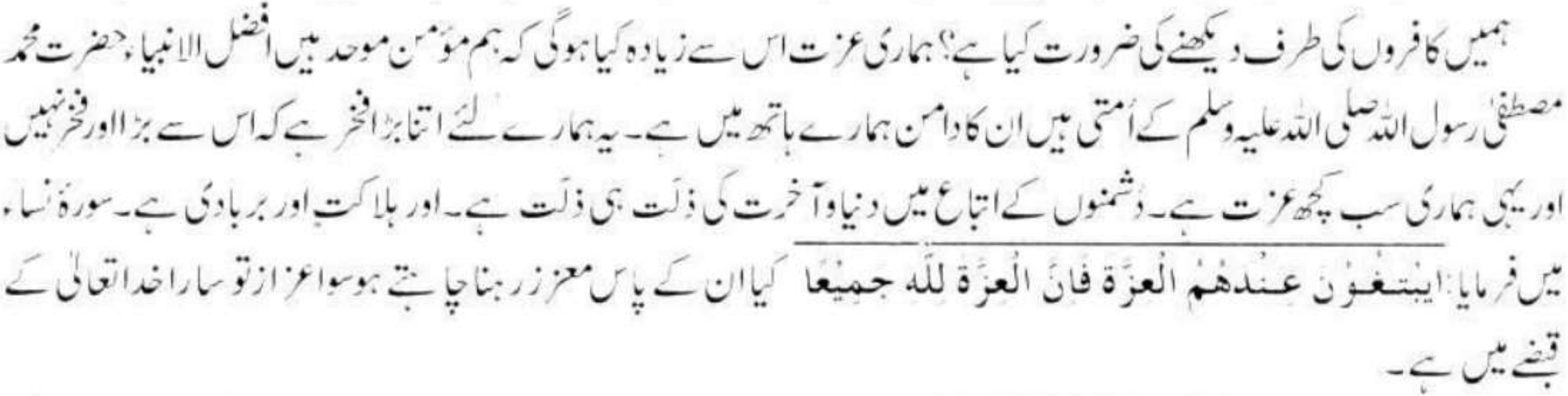

ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہماری عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ہم مؤمن موحد ہیں افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارے لئے اتنا بڑا فخر ہے کہ اس سے بڑا اور فخر نہیں اور یہی ہماری سب کچھ عزت ہے۔ دشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے۔ اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ سورۂ نساء میں فرمایا: اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہو سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔

جاری ہے

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

فائدہ…… آیت شریفہ میں حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے۔ پھر بھی تثنیہ کا صیغہ نہیں لایا گیا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علماء تفسیر نے یہ بات مُستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں۔ لیکن کُفر میں سب شریک ہیں اس لئے ان سب کی ملّت بھی ایک ہی ہے۔ خُلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں دو ہیں ایک ملّتِ ایمان اور ایک ملّتِ کُفر۔ فقہاء نے اس سے میراث کے بعض مسائل ثابت کئے ہیں اور یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دُشمنی میں ایک ہی ہیں۔ اور سب کی یہ کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پائیں۔ اسلام کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں ان میں سبھی کافر مشورے یا مال سے یا دِل سے شریک ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض وہ فرقے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دُشمنی میں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہ کاری میں یہود و نصاریٰ اور مُشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

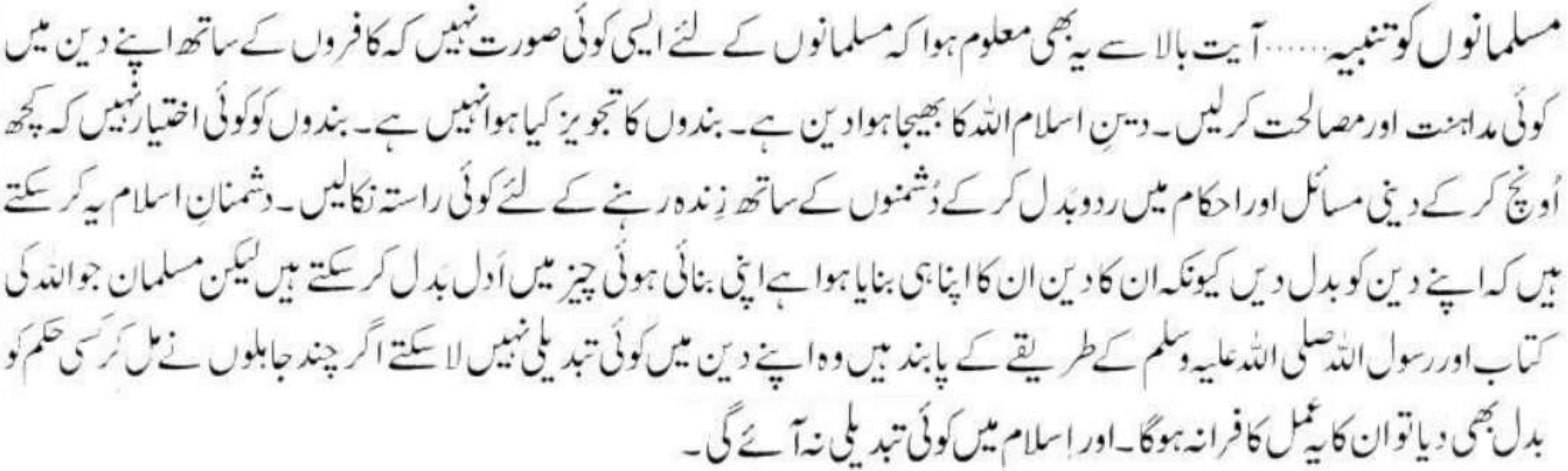

مسلمانوں کو تنبیہ...... آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مداہنت اور مصالحت کر لیں۔ دینِ اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اُونچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں ردوبدل کر کے دُشمنوں کے ساتھ زِندہ رہنے کے لئے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنانِ اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے اپنی بنائی ہوئی چیز میں اَدل بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کافرانہ ہوگا۔ اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔

# مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

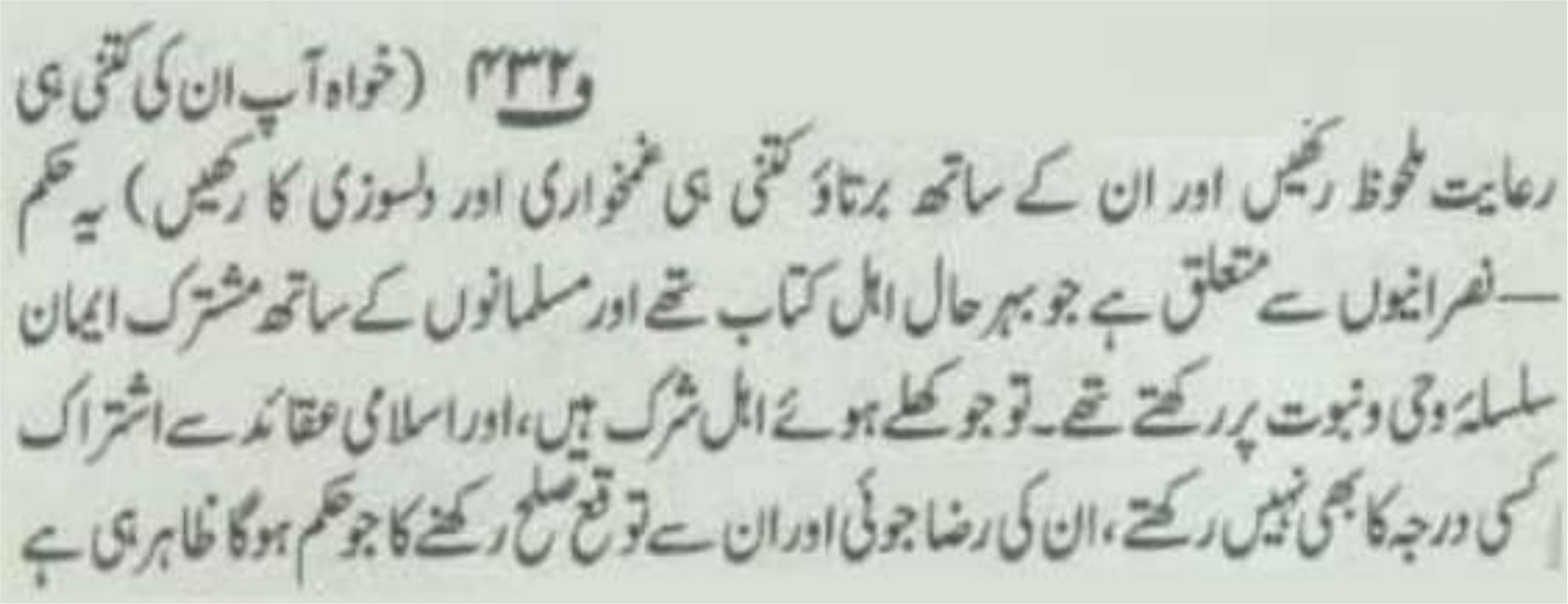

ف۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم — نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی ونبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہل شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضاجوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے

## مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

۱۲۱؎ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی ناراضی کا سبب تو یہ نہیں کہ وہ سچے طالب حق ہیں اور تم نے ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے۔ وہ تو اس لیے تم سے ناراض ہیں کہ تم نے اللہ کی آیات اور اس کے دین کے ساتھ وہ منافقانہ اور بازی گرانہ طرزِ عمل کیوں نہ اختیار کیا، خدا پرستی کے پردے میں وہ خود پرستی کیوں نہ کی، دین کے اُصول و احکام کو اپنے تخیلات یا اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں اُس دیدہ دلیری سے کیوں نہ کام لیا، وہ ریاکاری اور گندم نمائی و جو فروشی کیوں نہ کی، جو خود ان کا اپنا شیوہ ہے۔ لہٰذا انھیں راضی کرنے کی فکر چھوڑ دو، کیونکہ جب تک تم ان کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کر لو، دین کے ساتھ وہی معاملہ نہ کرنے لگو، جو خود یہ کرتے ہیں، اور عقائد و اعمال کی اُنہیں گمراہیوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ، جن میں یہ مبتلا ہیں، اس وقت تک ان کا تم سے راضی ہونا محال ہے۔

# اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

# شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

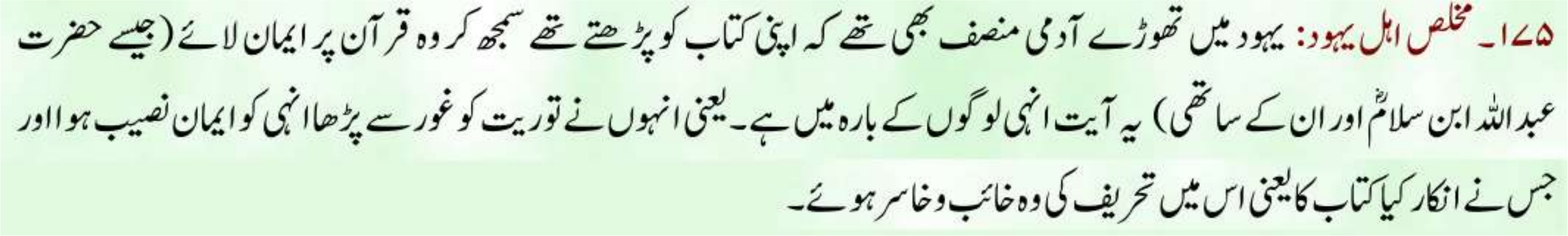

۱۷۵۔ **مخلص اہل یہود:** یہود میں تھوڑے آدمی منصف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ قرآن پر ایمان لائے (جیسے حضرت عبداللہ ابن سلامؓ اور ان کے ساتھی) یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں ہے۔ یعنی انہوں نے توریت کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جس نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب وخاسر ہوئے۔

# مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

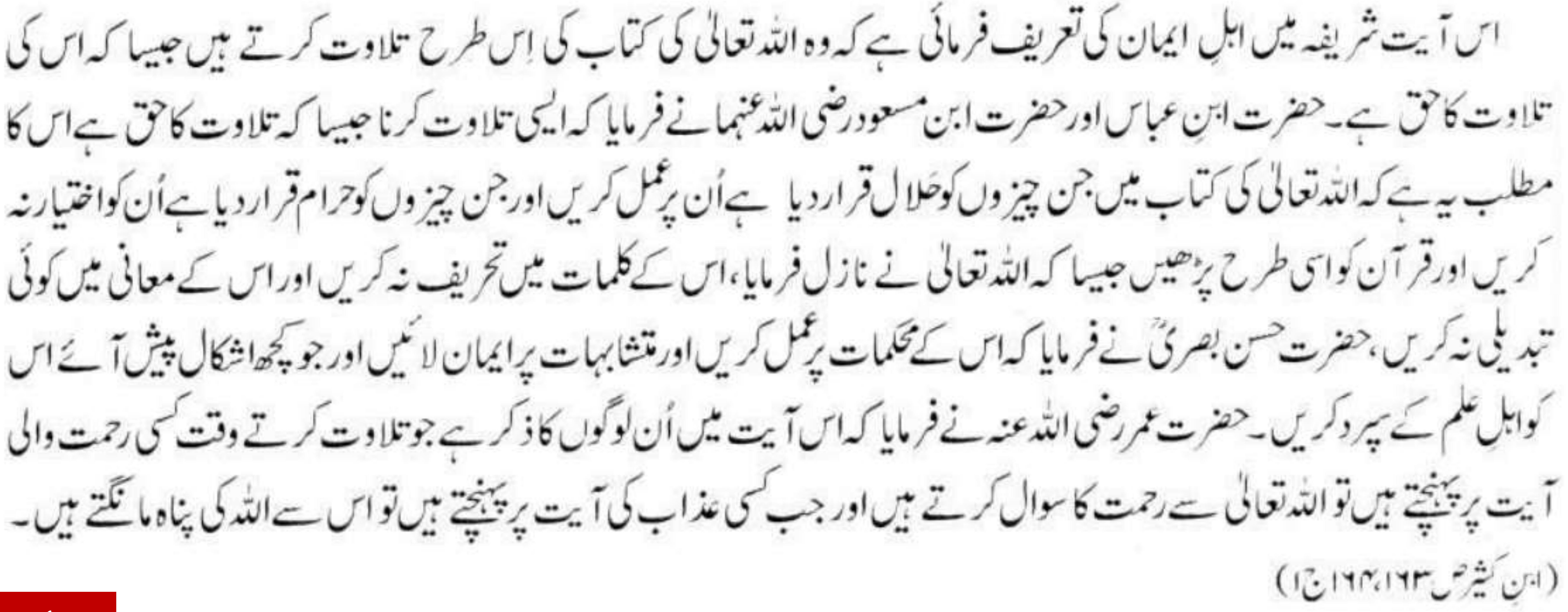

اس آیت شریفہ میں اہلِ ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اِس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اُن پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور متشابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہلِ علم کے سپرد کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(ابنِ کثیر ص ۱۶۳، ۱۶۴ ج ۱)

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

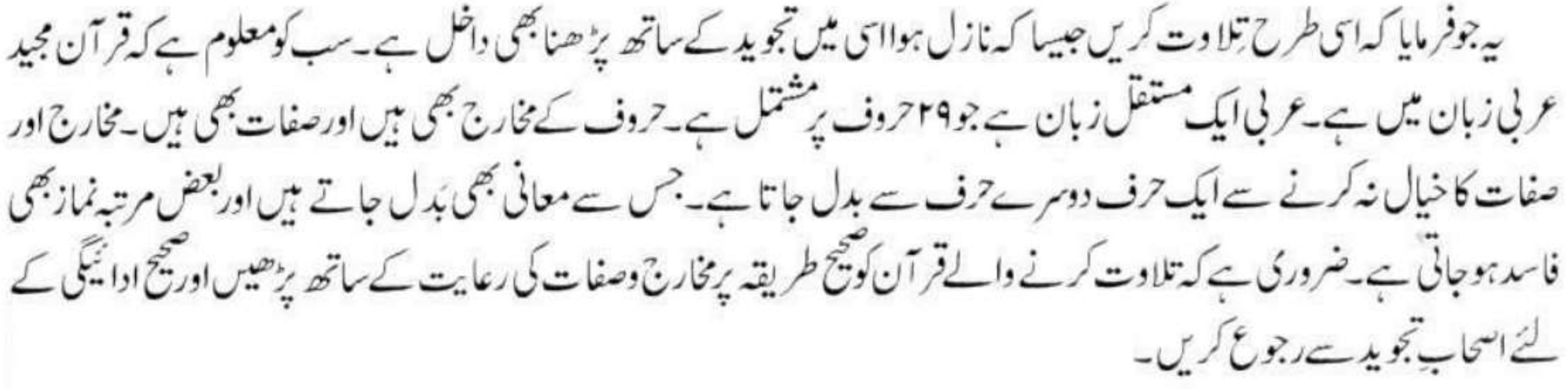

یہ جو فرمایا کہ اسی طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اسی میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کرنے والے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج وصفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لئے اصحابِ تجوید سے رجوع کریں۔

جاری ہے

## مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

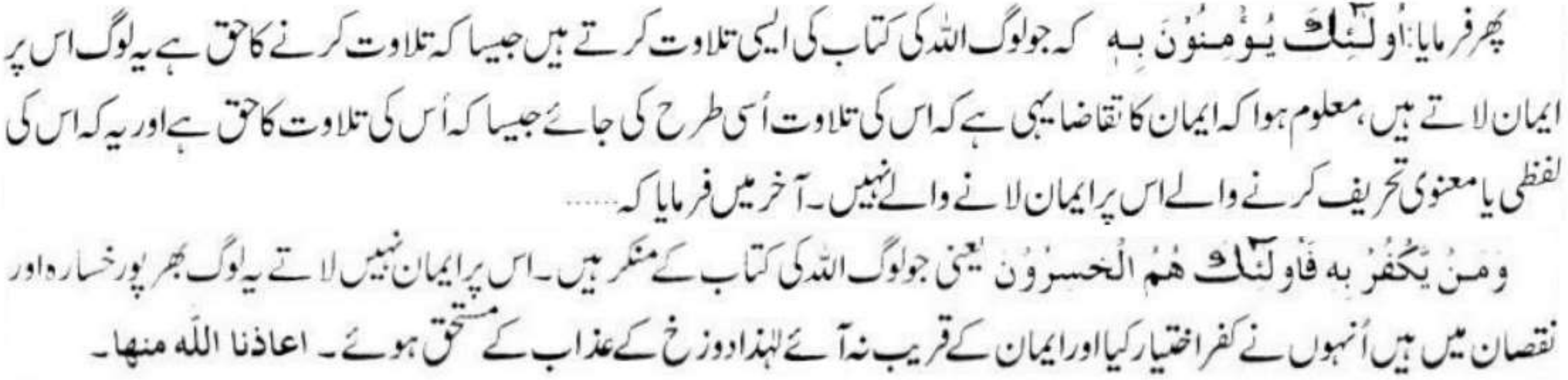

پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی تلاوت اُسی طرح کی جائے جیسا کہ اُس کی تلاوت کا حق ہے اور یہ کہ اس کی لفظی یا معنوی تحریف کرنے والے اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ……

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے یہ لوگ بھرپور خسارہ اور نقصان میں ہیں اُنہوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان کے قریب نہ آئے لہٰذا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا۔

# مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

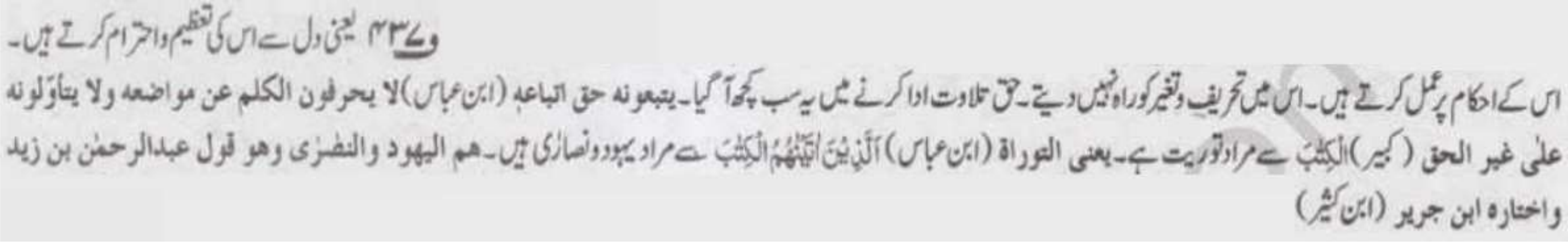

ف۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم واحترام کرتے ہیں۔
اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف وتغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آگیا۔ یتبعونه حق اتباعه (ابن عباس) لا یحرفون الکلم عن مواضعه ولا یتاوّلونه
علی غیر الحق (کبیر) الکِتٰبَ سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (ابن عباس) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ ھم الیھود والنصٰری وھو قول عبدالرحمٰن بن زید
واختاره ابن جریر (ابن کثیر)

## مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

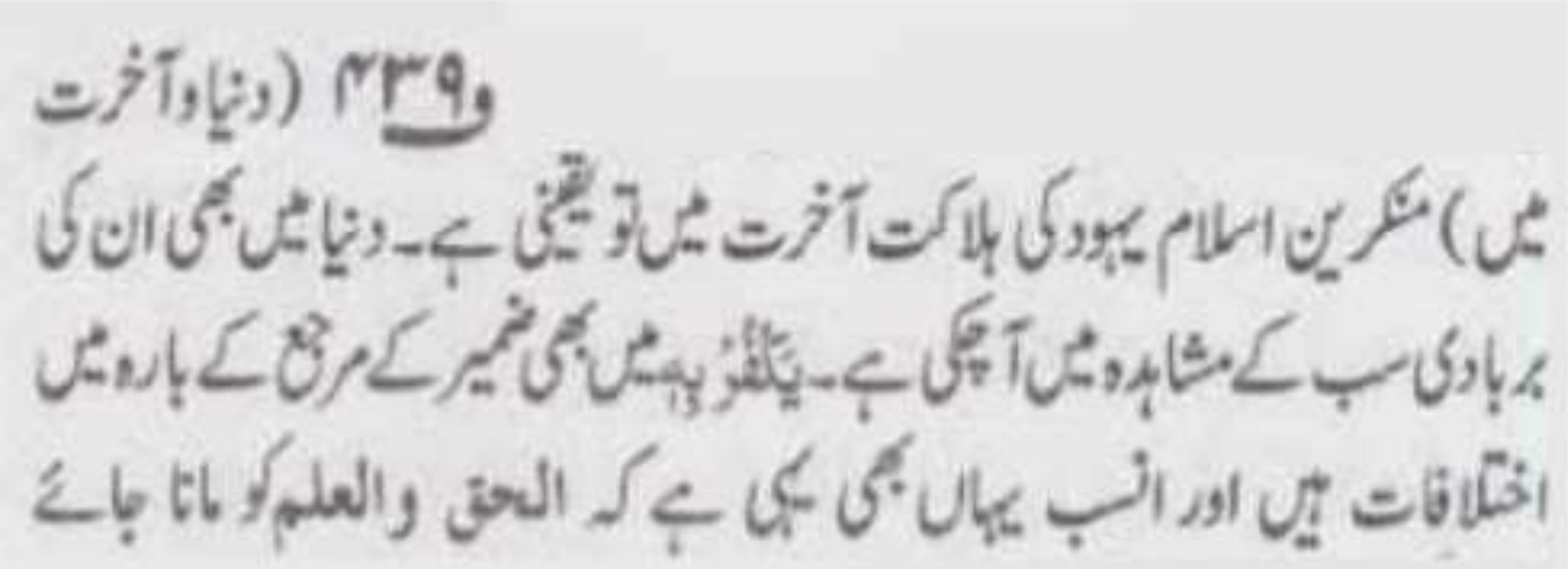

ف۴۳۹ (دنیا و آخرت میں) منکرین اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں آچکی ہے۔ یَکْفُرْ بِهٖ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق و العلم کو مانا جائے

## مولانا مودودیؒ ( تفہیم القرآن میں ) فرماتے ہیں کہ :

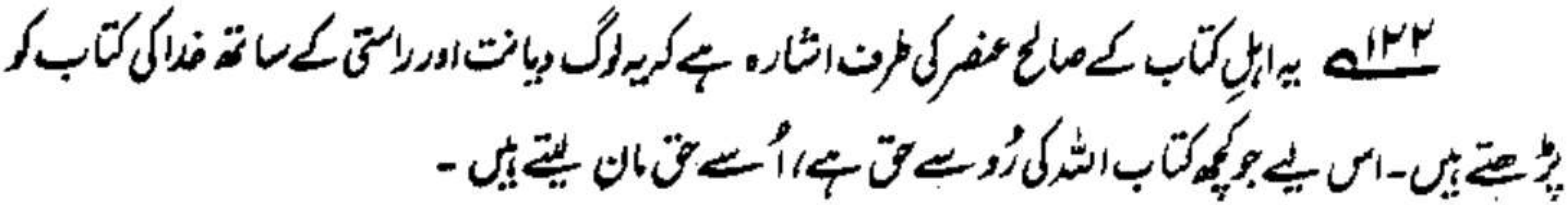

۱۲۲؎ یہ اہلِ کتاب کے صالح عنصر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دیانت اور راستی کے ساتھ خدا کی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ کتاب اللہ کی رُو سے حق ہے، اُسے حق مان لیتے ہیں -

## مولانا اشرف علی تھانویؒ (اشرف التفاسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

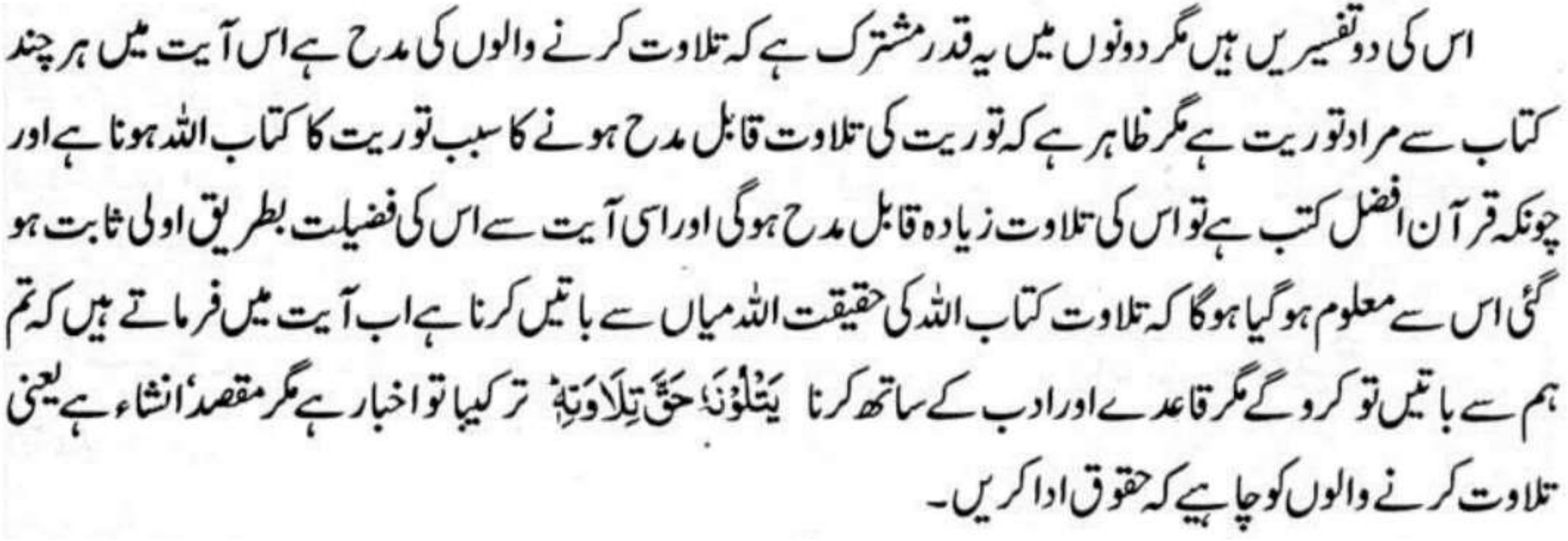

اس کی دو تفسیریں ہیں مگر دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ تلاوت کرنے والوں کی مدح ہے اس آیت میں ہر چند کتاب سے مراد توریت ہے مگر ظاہر ہے کہ توریت کی تلاوت قابل مدح ہونے کا سبب توریت کا کتاب اللہ ہونا ہے اور چونکہ قرآن افضل کتب ہے تو اس کی تلاوت زیادہ قابل مدح ہوگی اور اسی آیت سے اس کی فضیلت بطریق اولی ثابت ہو گئی اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تلاوت کتاب اللہ کی حقیقت اللہ میاں سے باتیں کرنا ہے اب آیت میں فرماتے ہیں کہ تم ہم سے باتیں تو کرو گے مگر قاعدے اور ادب کے ساتھ کرنا يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ترکیبا تو اخبار ہے مگر مقصود انشاء ہے یعنی تلاوت کرنے والوں کو چاہیے کہ حقوق ادا کریں۔

# حقوق تلاوت

جب تلاوت کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اب سمجھ لیجئے کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں باطنی اور ظاہری قربان جایئے تعلیم شریعت کے کہ اعمال میں صرف بناوٹ نہیں بلکہ ظاہری حقوق بھی بتائے اور باطنی کو ظاہری سے زیادہ ضروری رکھا ماں باپ کے حق ظاہری کو فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ کہ ان کے سامنے پستی اختیار کرو وضع قطع میں تکلم میں نشست و برخاست میں غرض ہر چیز میں ان سے تذلل برتو کسی بات پر ترفع مت کرو یہ حق ظاہری ہے اور حق باطنی کو سبحان اللہ کیسے ذرا سے لفظ سے فرمادیا یعنی مِنَ الرَّحْمَةِ یعنی ان کے سامنے نری ظاہری پستی پر اکتفا نہ کرو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس ظاہری

## مولانا اشرف علی تھانویؒ (اشرف التفاسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

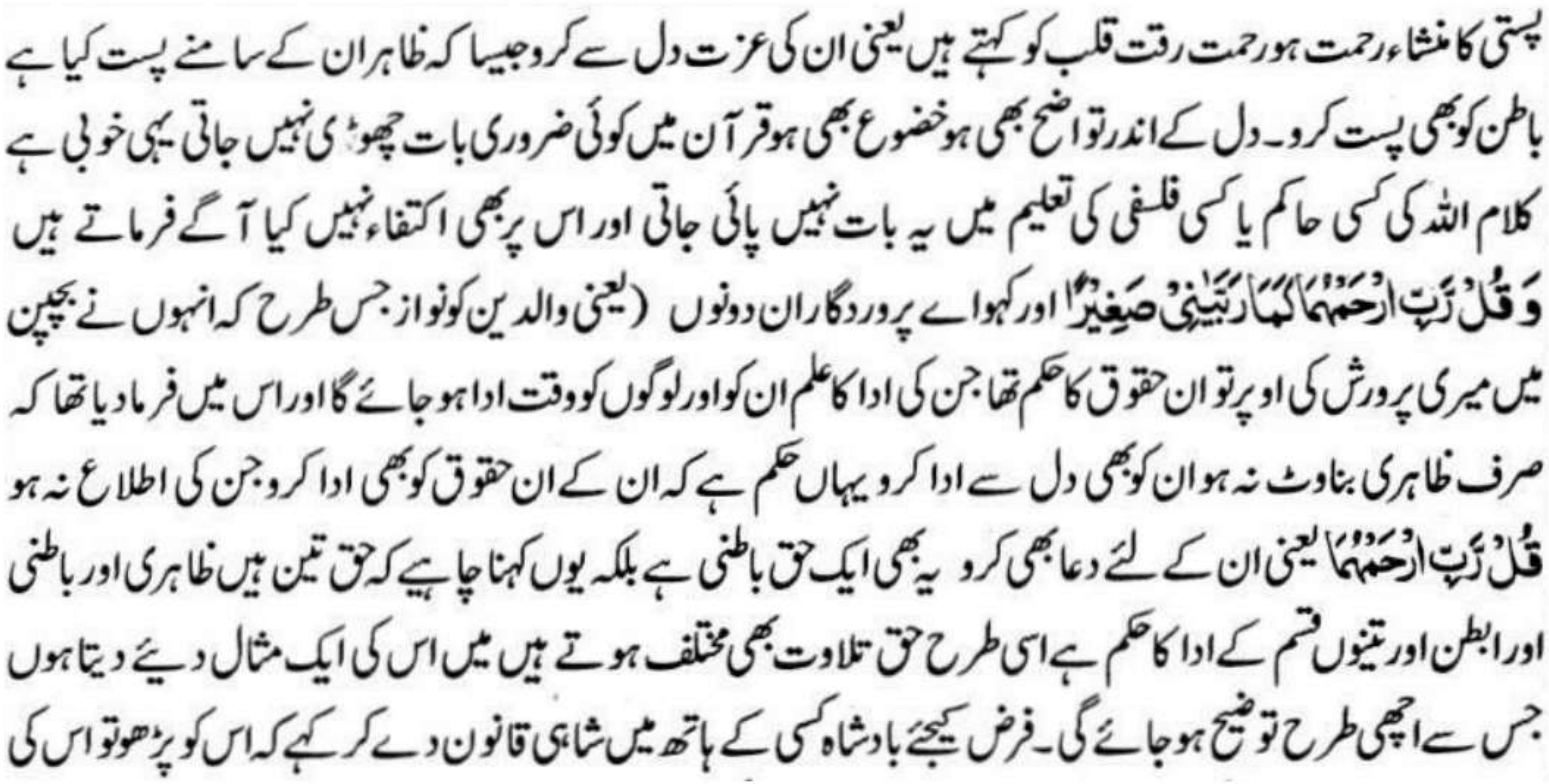

پستی کا منشاء رحمت ہو رحمت رقت قلب کو کہتے ہیں یعنی ان کی عزت دل سے کرو جیسا کہ ظاہر ان کے سامنے پست کیا ہے باطن کو بھی پست کرو۔ دل کے اندر تواضع بھی ہو خضوع بھی ہو قرآن میں کوئی ضروری بات چھوٹی نہیں جاتی یہی خوبی ہے کلام اللہ کی کسی حاکم یا کسی فلسفی کی تعلیم میں یہ بات نہیں پائی جاتی اور اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا آگے فرماتے ہیں وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور کہو اے پروردگار ان دونوں (یعنی والدین کو نواز جس طرح کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی اوپر تو ان حقوق کا حکم تھا جن کی ادا کا علم ان کو اور لوگوں کو وقت ادا ہو جائے گا اور اس میں فرمادیا تھا کہ صرف ظاہری بناوٹ نہ ہو ان کو بھی دل سے ادا کرو یہاں حکم ہے کہ ان کے ان حقوق کو بھی ادا کرو جن کی اطلاع نہ ہو قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا یعنی ان کے لئے دعا بھی کرو یہ بھی ایک حق باطنی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حق تین ہیں ظاہری اور باطنی اور ابطن اور تینوں قسم کے ادا کا حکم ہے اسی طرح حق تلاوت بھی مختلف ہوتے ہیں میں اس کی ایک مثال دیئے دیتا ہوں جس سے اچھی طرح توضیح ہو جائے گی۔ فرض کیجئے بادشاہ کسی کے ہاتھ میں شاہی قانون دے کر کہے کہ اس کو پڑھو تو اس کی

## مولانا اشرف علی تھانویؒ (اشرف التفاسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

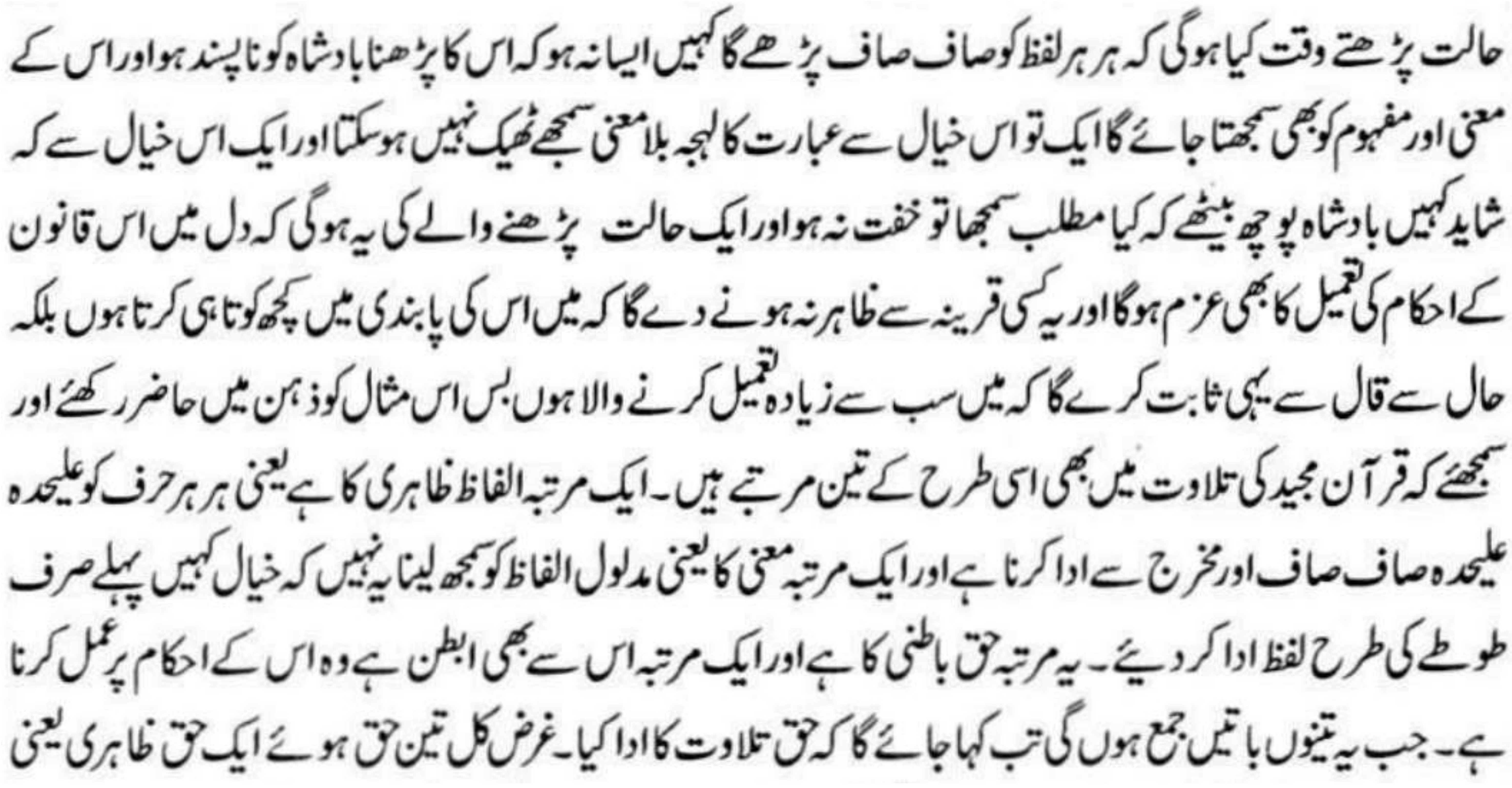

حالت پڑھتے وقت کیا ہوگی کہ ہر ہر لفظ کو صاف صاف پڑھے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا پڑھنا بادشاہ کو ناپسند ہو اور اس کے معنی اور مفہوم کو بھی سمجھتا جائے گا ایک تو اس خیال سے عبارت کا لہجہ بلا معنی سمجھے ٹھیک نہیں ہو سکتا اور ایک اس خیال سے کہ شاید کہیں بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ کیا مطلب سمجھا تو خفت نہ ہو اور ایک حالت پڑھنے والے کی یہ ہوگی کہ دل میں اس قانون کے احکام کی تعمیل کا بھی عزم ہوگا اور یہ کسی قرینہ سے ظاہر نہ ہونے دے گا کہ میں اس کی پابندی میں کچھ کوتاہی کرتا ہوں بلکہ حال سے قال سے یہی ثابت کرے گا کہ میں سب سے زیادہ تعمیل کرنے والا ہوں بس اس مثال کو ذہن میں حاضر رکھئے اور سمجھئے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں بھی اسی طرح کے تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ الفاظ ظاہری کا ہے یعنی ہر ہر حرف کو علیحدہ علیحدہ صاف صاف اور مخرج سے ادا کرنا ہے اور ایک مرتبہ معنی کا یعنی مدلول الفاظ کو سمجھ لینا یہ نہیں کہ خیال کہیں پہلے صرف طوطے کی طرح لفظ ادا کر دیئے۔ یہ مرتبہ حق باطنی کا ہے اور ایک مرتبہ اس سے بھی ابطن ہے وہ اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ جب یہ تینوں باتیں جمع ہوں گی تب کہا جائے گا کہ حق تلاوت کا ادا کیا۔ غرض کل تین حق ہوئے ایک حق ظاہری یعنی

## مولانا اشرف علی تھانویؒ (اشرف التفاسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

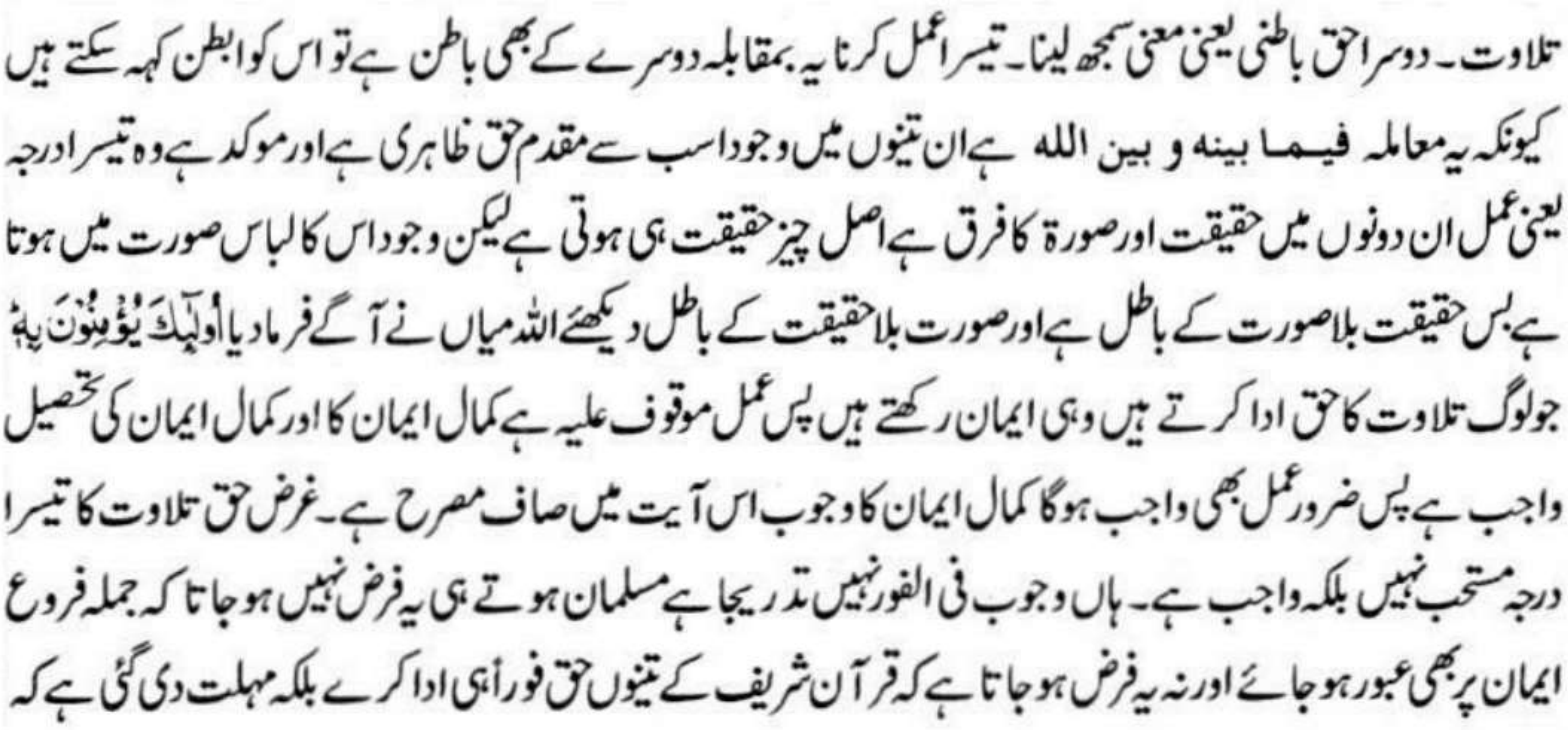

تلاوت۔ دوسرا حق باطنی یعنی معنی سمجھ لینا۔ تیسرا عمل کرنا یہ بمقابلہ دوسرے کے بھی باطن ہے تو اس کو ابطن کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ معاملہ فیما بینہ و بین اللہ ہے ان تینوں میں وجوداً سب سے مقدم حق ظاہری ہے اور موکد ہے وہ تیسرا درجہ یعنی عمل ان دونوں میں حقیقت اور صورۃ کا فرق ہے اصل چیز حقیقت ہی ہوتی ہے لیکن وجود اس کا لباس صورت میں ہوتا ہے بس حقیقت بلا صورت کے باطل ہے اور صورت بلا حقیقت کے باطل دیکھئے اللہ میاں نے آگے فرمادیا أُولَٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ جو لوگ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان رکھتے ہیں پس عمل موقوف علیہ ہے کمال ایمان کا اور کمال ایمان کی تحصیل واجب ہے پس ضرور عمل بھی واجب ہوگا کمال ایمان کا وجوب اس آیت میں صاف مصرح ہے۔ غرض حق تلاوت کا تیسرا درجہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔ ہاں وجوب فی الفور نہیں تدریجا ہے مسلمان ہوتے ہی یہ فرض نہیں ہو جاتا کہ جملہ فروع ایمان پر بھی عبور ہو جائے اور نہ یہ فرض ہو جاتا ہے کہ قرآن شریف کے تینوں حق فوراً ہی ادا کرے بلکہ مہلت دی گئی ہے کہ

# مولانا اشرف علی تھانویؒ (اشرف التفاسیر میں) فرماتے ہیں کہ :

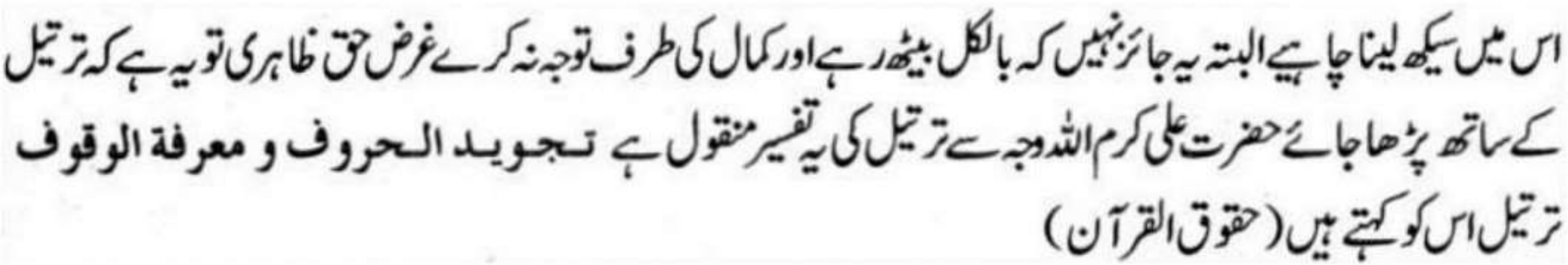

اس میں سیکھ لینا چاہیے البتہ یہ جائز نہیں کہ بالکل بیٹھ رہے اور کمال کی طرف توجہ نہ کرے غرض حق ظاہری تو یہ ہے کہ ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ترتیل کی یہ تفسیر منقول ہے **تجوید الحروف و معرفة الوقوف** ترتیل اس کو کہتے ہیں (حقوق القرآن)

جزاكم الله واحسن الجزا